

مرکز انٹرنیٹ لائبریری

کاروان امیان و غزیریت

حضرت سید احمد شہیدؒ کے مشہور خلفاء اور اکابر جماعت کا تذکرہ
اور سید صاحبؒ کے بعد کی کوششوں اور سلسلہ تنظیم و جہاد کی روداد

www.besturdubooks.wordpress.com

مجلس نشریات اسلام کے - ۳۔ ناظم آباد منیشن کراچی
زرد برقعانہ - ناظم آباد

کاروانِ میانِ غزیریت

حضرت سید احمد شہیدؒ کے مشہور خلفاء اور اکابرِ جماعت کا تذکرہ
اور سید صاحبؒ کے بعد کی کوششوں اور سلسلہٴ تنظیم و جہاد کی روداد

از
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

www.besturdubooks.wordpress.com

مجلس نشریاتِ اسلام
۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد۔ کراچی۔ ۷۴۶۰۰

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

www.besturdubooks.wordpress.com

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- رکن مجلس انتظامی و مجلس علم دارالمنصفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مد معظمہ
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی

نام کتاب	_____	کاروان ایمان و عزیمت
تصنیف	_____	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
طباعت	_____	شکیل پرنٹنگ پریس - کراچی
ضمت	_____	۱۶۶ صفحات
ٹیلیفون : ۶۲۱۸۱۴		

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام کے ۴ ناظم آباد منیشن۔ ناظم آباد کراچی ۴۶

فہرست

۸۳	مولوی احمد اللہ ناگپوریؒ	۹	پیش لفظ
"	مولانا سہیل شہیدؒ	۱۱	مولانا عبدالحی صاحب بڈانوی رحمۃ اللہ علیہ
"	مولوی اکرام الدین دہلویؒ	۱۷	مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ
"	خواجہ الماسؒ	۲۰	مولانا سید محمد علی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ
"	الانجش مورانویؒ	۲۲	مولانا ولایت علی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ
"	مفتی الہی انجش کاندھلویؒ	۵۲	مولانا یحییٰ علی رحمۃ اللہ علیہ
۸۴	مولانا امام الدینؒ	۶۱	اہل صادق پور کی جدوجہد اور تنظیم جماعت
۸۵	امام خان خیر آبادیؒ		○
"	امام الدین خاں رامپوریؒ		سید صاحب کے خلفاء و مریدین کی فہرست
"	سید امیر علیؒ		مطابق صرف تہجی
"	سید محمد امین صاحبؒ		۱
۸۷	مولانا سید اولاد حسن قنوجیؒ	۸۱	مولانا ابراہیم بن مدین اللہ نگر نسویؒ
۸۸	اولاد علی مادھویؒ	"	میاں جی احسان اللہ بڈانویؒ
	ب	"	شیخ احمد بن ادریس وزیر سلطنت مغرب
۸۹	باز خاں خالص پوریؒ	"	سید احمد علی شہیدؒ
"	شیخ باقر علی عظیم آبادیؒ	۸۲	مولوی احمد الدین ٹھٹھیؒ
"	شیخ سنارامی مدرس مدینہ منورہؒ	"	مولانا احمد اللہ عظیم آبادیؒ
"	شیخ بڑھنؒ	"	قاضی احمد اللہ میرٹھیؒ

	خ	۸۹	برکت اللہ بنگالیؒ
۹۳	خدا بخش جنبیؒ	"	ارباب بہرام خانؒ
"	مولانا خرم علی بلہوریؒ		ج
۹۵	مولوی خیر الدین شیر کوٹیؒ	۸۹	مولوی جعفر علی نقویؒ
	د	۹۲	جواہر خاں لکھنویؒ
۹۵	دین محمد خادمؒ	"	مولوی شیخ بیونؒ
"	دین محمد کورہرستانیؒ		چ
	ر	۹۲	مولوی چشتی کاندھلویؒ
۹۵	مولانا رجب علی جونپوریؒ		ح
۹۶	شیخ رضانی مورانویؒ	۹۲	حاجی احمد صاحبؒ
	ز	"	مولوی صیب اللہ قندھاریؒ
۹۶	ستید زین العابدین ٹونگیؒ	"	حسن خان بسندھیؒ
"	حاجی زین العابدین خاں رامپوریؒ	"	شیخ حسن علی صاحبؒ
	س	۹۳	ستید حمزہ (مکہ مکرمہ)
۹۶	ساول خان خیر آبادیؒ	"	ستید حمزہ (ساکن برہما)
"	مولانا سخاوت علی جونپوریؒ	"	ستید حمید الدین ٹونگیؒ
۱۰۰	ستید سراج الدین رائے بریلویؒ	"	حیات خان بریلویؒ
"	مولانا ستید سراج الدین ہسویؒ	"	مولانا حیدر علی دہلوی ثم ہوشیار پوری
"	مولوی ستید سعید الدین رائے بریلویؒ	"	مولانا حیدر علی رامپوریؒ
"	ستید محمد ہارویؒ		

۱۰۴	مولانا عبدالحق بنارسی	ش
"	قاضی عبدالصمد افغانی	۱۰۱
"	مولانا عبدالعلی نصیر آبادی	"
۱۰۵	مولانا عبدالقیوم بدہانوی	"
"	اخوند عبدالعظیم	"
"	مولانا عبداللہ علوی	"
۱۰۶	مولانا عبدالہادی جھوکوی	"
"	مولانا علی احمد ٹونکی	ص
"	قاضی عماد الدین	۱۰۱
"	مولانا عنایت اللہ غازی	"
۱۰۷	سید عبدالباقی رائے بریلوی	"
"	مولوی عبدالقدوس کشمیری	ط
"	سید عبداللہ ولد بہادر علی	۱۰۲
"	مولوی عبداللہ بنارسی	ظ
"	مولوی عبدالحکیم ساکن ممبئی	۱۰۲
"	مولوی عبداللہ	۱۰۳
"	شیخ محمد عمر مفتی مکہ مکرمہ	ع
"	سید عقیل	۱۰۳
"	عمر بن عبدالرسول محدث	"
"	عبدالرزاق دیوبندی	"
		میر شاہ علی
		مولوی شجاعت علی عظیم آبادی
		شیخ شمس الدین مصری واعظ بیت الحرام
		شمسیر خان جمعدار مورانوی
		مولوی شہاب الدین بالوی
		اخوند شاہ محمد ولایتی
		سید صبغت اللہ ولایتی
		حافظ محمد صدیق
		شیخ صلاح الدین ٹپلتی
		قاضی طیب
		مولانا سید محمد ظاہر رائے بریلوی
		مفتی ظہور علی
		سید عبدالجلیل رائے بریلوی
		مولانا عبدالجلیل کوٹلی
		حاجی عبدالرحیم سہارنپوری

۱۱۱	مولوی حافظ قطب الدین	۱۰۷	سید عبدالرحمن سیالوی — عباد اللہ مسو
	ک	"	سید عبدالرحمن بسندھی
۱۱۱	مولانا کرامت علی جوہر پوری	"	عبدالباقی خان قندھاری
۱۱۸	کریم بخش بڈانوی	"	عبدالجتار مورانوی
"	محمد کمال خرم پودی	"	عبدالحمید خان جہاں آبادی رائے بریلوی
	ل	"	علی حسن گتھوی
۱۱۹	مولوی شاہ لطف اللہ سلونوی		غ
	م	۱۰۷	مولانا غلام جیلانی
"	سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادی	۱۰۸	حکیم غلام شہبانی جھنجھانوی
"	مولوی محمد حسن رامپوری	"	شیخ غلام علی رئیس ضلع الہ آباد
"	مولوی محمد حسین ساکن گجرہ	۱۰۹	غلام نبی خان
۱۲۱	شاہ محمد حسین عظیم آبادی		ف
۱۲۲	محمد زمان خان ابن وزیر خاں لوہانی پور	۱۰۹	مولانا فتح علی
"	مولوی محمد عظیم پشاور	"	مولوی فرحت حسین
"	مولوی سید محمد علی	۱۱۱	مولوی فخر الدین سہارنپوری
"	مولانا محمد علی رامپوری	"	مولانا فصیح غازی پوری
"	مولانا محمد علی صدر پوری ملیح آبادی	"	مولوی میاں فضل سیالکوٹی
"	شیخ محمد علی ہندی مدرس مکہ معظمہ	"	فییم خاں حسین پودی بڈانوی
"	شیخ محمد عمر مفتی مکہ مکرمہ		ق
"	سید محمد لہاروی	۱۱۱	مولوی سید قاسم نصیر آبادی

۱۲۶	نواب وزیر الدولہ مرحومؒ	۱۲۲	سید محمد موسیٰؒ
۱۳۰	شیخ ولی محمد ٹھلٹیؒ	"	پیر جی محمود شاہؒ
	۵	"	شیخ مخدوم سید ن پوریؒ
۱۳۰	شیخ ہمدانی خاص پوریؒ	"	مولانا سید مرتضیٰ حسین لکھنویؒ
	ی	۱۲۳	مولوی مرتضیٰ خاں رامپوریؒ
۱۳۰	مولوی سید محمد یعقوبؒ برادر زادہ سید صاحبؒ	"	شیخ مصطفیٰ امام مصطفیٰ حنفیؒ
۱۳۱	محمد یوسف (یکے از امرائے ہند)	"	مولوی سید شاہ منظر علی صاحبؒ
"	مولانا محمد یوسف ٹھلٹیؒ	۱۲۴	شیخ مظلم جگدیش پوریؒ
"	قاضی محمد یوسفؒ مرکی ساکن بیہی	"	حکیم مغیث الدین سارنپوریؒ
	○	"	منوہاں طبع آبادیؒ
۱۳۲	مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی نقشبندی علیہ	"	حکیم مومن خاں دہلویؒ
	فانڈان: ۱۳۲، ولادت اور ابتدائی حالات: ۱۳۳،	۱۲۵	میاں جی احسان اللہ ڈبرائویؒ
	تعلیم: ۱۳۴، بیعت و سلوک: ۱۳۶، حج اور حضرت مولانا		ن
	محمد یعقوب سے استفادہ: ۱۳۹، تبلیغ و اصلاح: ۱۴۰،	۱۲۵	سید ناصر علیؒ (یکے از امرائے محراب پورندہ)
	معمولات و عبادت: ۱۵۰، وفات: ۱۵۵	"	مولوی نصیر الدین دہلویؒ (داماد حضرت شایستہ)
۱۶۰	مریدین و خلفا	"	مولوی نظام الدین دہلویؒ
	خواجہ فیض اللہ اور گنگ آبادی: ۱۶۱، حضرت سید	"	صوفی نور محمدؒ
	شاہ ضیاء النبیؒ: ۱۶۱، مولانا سید محمد عرفانؒ:	"	مولانا نور محمد مجنجانویؒ
	۱۶۵، حضرت سید مصطفیٰؒ: ۱۶۶، مولوی حکیم		و
	سید فخر الدینؒ: ۱۶۰	۱۲۶	مولوی وحید الدینؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، پیش لفظ کتاب اصلا سیرت سید احمد شہید کا ایک حصہ اور اس کا آخری باب تھا۔ اس کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں یہ کتاب میں شامل تھا لیکن جب مصنف نے کتاب میں اتنے اضافے کر دیے کہ وہ دو چند ہو گئی تو اس کو یہ محسوس ہوا کہ اگر یہ حصہ اس کتاب میں شامل رہا تو اس کی ضخامت بہت زیادہ ہو جائے گی، اگر اس کو علیحدہ رسالہ یا کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے تو وہ ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے جس کی اپنی جگہ خود اہمیت اور افادیت ہوگی، اس خیال سے اس حصہ کو علیحدہ کر لیا گیا، اس عرصہ میں سیرت سید احمد شہید کا تیسرا اور چوتھا ایڈیشن شائع ہو کر مقبول عام ہوا لیکن اس حصہ کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی، اب عرضہ دراز کے بعد مصنف اس حصہ کو اپنے قابل احترام دوست جناب سید انور حسین صاحب زیدی نفیس رقم کے حوالہ کر رہے ہیں کہ وہ اس کو سید احمد شہید ایڈمیٹی لائبریری لاہور کی طرف سے شائع کریں، امید ہے کہ اس صحیفہ ایمان و عزیمت سے پڑھنے والے اپنے دلوں میں ایمان کی حرارت، اسلام کی حمیت اور زندگی میں شان عزیمت پیدا کریں گے۔

تازہ خواہی داشتن گرداغمانے سینہ را

گاہے گاہے بازخواں این بقتہ پارسہ را

ابو الحسن علی

دائرة شاہ علم اشدرائے بریلی

۲ شوال الحکم ۱۳۹۹ھ

۲۶ اگست ۱۹۷۹ء

حضرت سید احمد شہید کے مشہور خلفاء و اکابر جماعت

اور

سید صاحب کے بعد کی کوششیں اور سلسلہ تنظیم جہاد



مولانا عبدالحی صاحب بڈہانوی ^{رحمۃ اللہ علیہ}

آپ شاہ عبدالغفری صاحب کے داماد تھے اور شاہ صاحب آپ کے پھوپھا بھی تھے، شاہ صاحب آپ کے والد کے شاگرد تھے اس لیے مولانا عبدالحی صاحب سے بہت محبت و خصوصیت رکھتے تھے، اور آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بابرکت خاندان میں داخل و شامل تھے۔

علم و فضیلت میں آپ کا شمار ہندوستان کے ممتاز علماء میں تھا، حضرت شاہ عبدالغفری صاحب اور پورا خاندان ولی اللہی بلکہ پورا دہلی آپ کی فضیلت علمی و تبحر کا قائل تھا، شاہ صاحب تفسیر میں مولانا کو اپنے تمام تلامذہ پر فضیلت دیتے تھے اور اپنا نمونہ فرماتے تھے۔ شیخ الاسلام کا لقب جو اسلام میں خاص خاص علماء کو دیا گیا ہے، شاہ صاحب نے خود مولانا کو ایک خط میں دیا ہے اور آپ کو اور شاہ اسماعیل صاحب کو تاج التفسیرین فخر المحدثین، سرآمد علماء متعقین کہا ہے اور فرمایا ہے کہ دونوں حضرات تفسیر حدیث فقہ و اصول و منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں کو علماء ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو۔“

شاہ اسماعیل صاحب شہید نے بھی آپ سے پڑھا تھا اور اہل علم کے نزدیک علوم رسمیہ میں مولانا عبدالحی صاحب کا پایہ سید صاحب کی جماعت میں سب سے بلند تھا، سید صاحب بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے آپ کی بیعت کا ذکر کتاب میں آچکا ہے، آپ ہی کی ترغیب سے حضرت شاہ اسماعیل صاحب بھی سید صاحب کی طرف رجوع ہوئے، بیعت ہوتے ہی شاہ صاحب کے ساتھ آپ سید صاحب کے رنگ میں رنگ گئے اور اپنے سارے علم و فضل کو آپ پر تصدق کر دیا، ادنیٰ خادم بن گئے، آپ کی جوتیاں اٹھاتے، آپ کی رکاب تمام کر چلتے، یہ آپ کا سب سے بڑا ایثار و کارنامہ تھا، آپ کا علم، قلم اور زبان اور خدا کی دی ہوئی ہر قوت و قابلیت اسلام کی خدمت اور حق کی اشاعت و نصرت کے لیے وقف تھی۔

آپ پر شان صدیقیت اور شاہ صاحب پر شان فاروقی غالب تھی، نہایت حلیم، رفیق القلب تھے، چہرہ پر خشیت الہی و تواضع کے آثار اور عبادت و تقویٰ کے لواظا ہر تھے، کوئی تعریف کرتا تو دل سے ناخوش ہوتے اور بری لگتی، نصیحت کرتا تو دل سے خوش ہوتے اور سر جھکا دیتے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں نہایت چست و مستعد رہتے اور اس میں اپنے شیخ کا بھی جس سے زیادہ محترم ہستی آپ کی نظر میں کوئی نہ تھی لحاظ نہ کرتے، ایک مرتبہ شادی کے بعد سید صاحب کو خلاف معمول جماعت میں کچھ تاخیر ہو گئی، دوسرے دن پھر اتنی تاخیر ہوئی کہ تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی، مولانا نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ عبادت الہی ہو گی یا شادی کی عیشت، سید صاحب خاموش ہو گئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا، دیوبند میں ایک مرتبہ کسی وجہ سے صبح کی نماز میں سید صاحب کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی، اس دن مولانا عبدالحی صاحب نے اسی کا وعظ فرمایا، ایک مرتبہ سید صاحب نے فرمایا کہ اگر مجھ سے کوئی بات خلاف سنت دیکھے تو متنبہ کر دیجئے گا، مولانا نے فرمایا کہ حضرت جب کوئی مخالف سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو وہ آپ کے ساتھ ہو گا ہی کہاں۔

آپ کے علم سے جس قدر اسلام کو نفع اور آپ کے وعظ سے جس قدر اصلاح ہوئی کم خوش نصیب علماء کے علم و تقریر سے ہوئی ہو گی، بکھنوکے قیام میں برابر آپ کا وعظ ہوا تھا جس میں ہزار ہا آدمی شریک ہوتے اور ہدایت پاتے، ایک مرتبہ آپ نے ”وَذَا التُّونِ اِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا الْاٰیۃ“ پر وعظ کیا اور ایسا وعظ

کہا کہ سامعین پر سکتہ طاری ہو گیا، ہر ایک کے منہ سے واہ واہ سبحان اللہ کی صدا نکلتی تھی، سارا مجمع ادا
 علماء فریقین آپ کی قوت بیانی و نکتہ دانی کے قابل ہو گئے، علماء نے کہا حق تو یہ ہے کہ ہمارے ساری عمر جبل و
 نادانی میں گزری اور اس وادی معرفت کا آج تک پتہ نہ چلا، تین جمعے آئے اسی آیت کا وعظ رہا۔ ایک دوسرا
 وعظ آپ کا ان قوموں کے حالات و صفات و اخلاق پر ہوا، جن پر عذاب الہی نازل ہوا تھا، آپ نے تفصیل
 سے ان کے اعمال و اخلاق، وضع و معاشرت، رسم و رواج، صورت و سیرت بتائی اور موجودہ مسلمانوں پر اہل شہر
 کے حالات و اخلاق سے مطابق کیا، ان خطبات و مواعظ کا نہایت نفع ہوا اور ہزاروں کو ہدایت ہوئی۔

لکھنؤ کے ایک محدث اور مشہور عالم نے ایک مرتبہ کہا کہ میں بھی قرآن و حدیث کا وعظ کرتا ہوں اور
 یہ دونوں عالم (مولانا و شاہ صاحب) بھی قرآن و حدیث کا وعظ کہتے ہیں مگر میرے وعظ میں دس پانچ آدمیوں
 سے زیادہ جمع نہیں ہوتے اور ان کے وعظ میں سارا شہر ٹوٹا پڑتا ہے، مسجدوں میں سامعین کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی
 مولانا عبدالحی صاحب نے اس محدث خشک کی زبان سے یہ بات سُن کر فرمایا کہ پہلے ہمارا بھی یہی حال تھا، یہ
 سید صاحب کی برکت ہے۔

حج میں آپ مع اہل خانہ سید صاحب کے ساتھ تھے اور آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا تھا کہ
 اس سفر میں تم کو چکی بھی پیسنی پڑے گی، روٹی بھی پکانی پڑے گی، پیدل بھی چلنا ہوگا، جو ضروری کام ہیں سب
 کرنے ہوں گے۔ راستہ میں آپ کے وعظ سے ایک بازاری عورت تائب ہوئی اور شریک قافلہ ہوئی سید صاحب
 نے فرمایا کہ اس کو عورتوں میں بٹھا دو، عورتیں کسی طرح اس پر راضی نہیں ہوتی تھیں، آخر مولانا عبدالحی صاحب
 نے آکر فرمایا کہ تم اس نیکیجت کو اپنی ناو پر کیوں نہیں بٹھاتیں، آج اس نے بڑے کاموں سے توبہ کی ہے اسوقت
 یہ تم سب سے افضل ہے اور جو کچھ خدا اور رسول کا شرعی حکم تم پر ہے وہی اس پر ہے، عورتوں نے کہا کہ اگر یہ بات
 ہے تو اس کو پردہ کرا کر چھت پر الگ بٹھا دو، مولانا نے کہا کہ کیا چھت پر تم میں سے کوئی نہیں بیٹھ سکتی، وہی
 کیوں جا کر چھت پر بیٹھے، آخر آپ نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ چادر اوٹھ کر اتر آئیں، وہ اتر آئیں تو آپ نے ان
 کو گھر کا اقرار یاد دلایا، سید صاحب نے یہ دیکھا تو مولانا کو آواز دی کہ یہاں تشریف لائیے۔ آپ نے فرمایا کہ حاضر

ہوتا، ہوں اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دیکھو عبدالحی کی بی بی کھڑی ہے اور خدا و رسول کے حکم کے مطابق شرعی پردہ اس کو کہتے ہیں، یہ تین بار فرمایا تاکہ وہ غرور ٹوٹ جائے، سفر میں اکثر لوگ اور بالخصوص عورتیں نماز کم پڑھتی ہیں اور ہلی گاڑی وغیرہ میں دشوار بھی ہے، ایک مقام پر آپ نے پردہ کا انتظام کر کے اپنی بیوی کو اتارا اور ان سے نماز پڑھوائی اور ساتھیوں سے فرمایا کہ صاحبو! دیکھ لو عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے اس پر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی۔

آپ نے سفر حج میں یمن کے مشہور محدث محمد بن علی الشوکانی (صاحب نیل الاوطار) سے خط و کتابت کی اور امام موصوف نے اپنی تصنیفات بھیجیں۔

حجاز میں اہل عرب کے نفع کے لیے آپ نے "صراطِ مستقیم" (فارسی، عربی میں ترجمہ کیا۔ حضرت سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب، حاجی احمد صاحب، مولانا عبدالقدوس صاحب جو پوری کو ٹونک میں ہدایت و ارشاد اور بعض ضرورتوں کی تکمیل کے لیے چھوڑ دیا تھا وہ محض تعمیل ارشاد میں ٹھہرے رہے۔ ان کا جسم ٹونک میں تھا لیکن دل حضرت کے ساتھ تھا۔ پانچ مہینہ کے بعد حضرت نے طلب فرمایا تو یہ حضرات اس طرح بیٹا بانہ گئے جس طرح مرغِ اسیقنس سے نکل کر اپنے آشیانہ کی طرف جاتے ہیں ان حضرات پر عجب کیف و سرور طاری تھا، راستہ میں حضرت کا نام گرامی ہاتھ میں لیے ہوئے ٹپتے ہوئے بڑے جذب و شوق سے پیدل چلے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، جو راستہ میں ملتا اس سے کہتے کہ ہم کو سید صاحب نے بلایا ہے جسم کی ناتوانی، پیری اور نقاہت کے باوجود منزلوں پر منزلیں قطع کرتے ہوئے جا رہے تھے جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو راستہ کی ساری کلفت جاتی رہی، اپنے احباب کو جو آپ نے خط لکھا ہے نواب وزیر الدولہ مرحوم فرماتے ہیں کہ میں نے وہ خط دیکھا ہے اس میں لکھا تھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومن کو جب جنت کی نہر میں غوطہ دیا جائے گا تو اس کا سارا تکان جاتا رہے گا اور قیامت کے

مصائب کا فور ہو جائیں گے اور وہ بالکل تروتازہ ہو جائے گا، یہی کیفیت ہم خستہ جانوں کی تھی کہ حضرت کی مجلس میں پہنچتے ہی سفر کا تکان اور راستہ کی تکلیف خواب و خیال ہو گئی۔

سید صاحب کو آپ کی آمد کا ایسا انتظار تھا جیسے عید کے چاند کا ہونا ہے اور آپ کی آمد کی خبر سن کر نہایت مسرور تھے، دیر تک آپ کو لانے کے لیے پاکی بھیجی اور خاص اپنے ساتھ اپنے خیمہ میں اتارا اور اپنا مہمان رکھا، اُس وقت مجاہدین پر ٹہری سنگی تھی، کبھی کبھی پتے کھانے کی نوبت آتی تھی، آپ اپنے ساتھ ہندوستان سے روپیہ بھی لائے تھے جس سے مجاہدین کو فراغت ہو گئی۔

سید صاحب نے آپ کو لشکر کا قاضی مقرر فرمایا، مقدمات کا فیصل کرنا اور عاملوں کا مقرر کرنا

آپ کے متعلق تھا۔

آپ کی وفات مقام خہر میں ہوئی، انتقال کے وقت سید صاحب سے فرمایا کہ حضرت شہادت تو میری قسمت میں نہ ہوئی اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھ دیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جائے، سید صاحب نے فرمایا کہ میرا پاؤں اس قابل کہاں ہے کہ اس سینہ پر رکھوں جو قرآن و حدیث کے علم کا خزانہ ہے، آپ نے تسلی کے لیے اپنا ہاتھ آپ کے سینہ پر رکھ دیا اور اسی حالت میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

آپ کی زبان سے آخری کلمہ اللھم الرفیق الاعلیٰ نکلا اور روح پرواز کر گئی ومن ینجرح

من بیته مهاجرا ایا اللہ ورسولہ ثم یدرکھ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ

(اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے پھر اس کو موت پالے تو اس کا اجر

مقرر ہو چکا اللہ کے یہاں)

مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

آپ شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے شجرہ طوبیٰ کی ایک شاخ ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب کے نامور پوتے، شاہ عبد الغنی صاحب کے ذریعہ نجات و مغفرت فرزند شاہ عبد الغنی صاحب و شاہ عبدالقادر صاحب و شاہ رفیع الدین صاحب کے محبوب و عزیز بھتیجے اور ایسے ناز شاگرد تھے۔

مولانا اسماعیل اسلام کے ان اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جبری اور غیر معمولی افراد میں ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

آپ نے علماء کے سب سے بڑے مجمع اور سب سے بڑے علمی اور سب سے بہتر دینی ماحول میں آنکھ کھولی، بچپن میں کانوں میں قال اللہ و قال الرسول کی آواز پڑی، جو علمی باتیں اور جو مذہبی مسائل حلال و حرام و ضروریات دینی لوگوں کو کتابوں اور مطالعہ سے آتی ہیں وہ آپ کو باتوں باتوں اور قصے کہانیوں میں معلوم ہو گئیں، تربیت کے لحاظ سے یہ تربیت نہایت مکمل تھی جو کم خوش نصیبوں کو ہوتی ہے لیکن آپ اس تربیت کے محدود دائرہ سے بہت آگے تھے اور بہت جلد شاہ صاحب کے خاندان میں بھی آپ بہت ممتاز ہو گئے۔

تعلیم میں بھی آپ کی خوش نصیبی تربیت سے کم نہ تھی، ہندوستان کے فاضل ترین اساتذہ جن کے پاس سمرقند و بخارا، ایران و افغانستان کے طلباء شہرِ رحال کر کے آتے تھے اور ایک سبق پڑھ لینا حاصل سفر سمجھتے تھے، آپ کے گھر ہی کے تھے اور کون؟ باپ یا باپ سے بڑھ کر شفیق چچا، اس وقت کی اعلیٰ تعلیم جو کسی کو میسر آسکتی تھی آپ نے حاصل کی اور اس میں کوئی کمی نہیں رہی۔

آپ مجتہدانہ دماغ کے آدمی تھے اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ بہت سی درسی کتابوں کے مصنفین و شرح سے زیادہ ذکاوت اور علمی مناسبت رکھتے تھے، اگر آپ کو اشتغال اور تصنیف و تالیف و درس و تدریس کا موقع ملتا تو آپ اپنے بہت سے پیشرو اور معاصر علماء سے بہت آگے ہوتے اور بہت سے فنون میں امام یا مجدد کا منصب آپ کو دیا جاتا، جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو انھیں علوم و فنون میں خارق عادت کمال دیتا ہے جو ان کے زمانہ میں رائج و شائع ہوتے ہیں تاکہ حجت اور معجزہ ہو سکے، اسی طرح حکیم مطلق نے خود اس کا سامان کیا کہ شاہ صاحب کو جن سے اس کو علماء کی اصلاح اور حق کی نصرت کا کام لینا تھا، ان تمام علوم و فنون میں غیر معمولی کمال حاصل ہو جو اس وقت عام طور پر رائج و جاری تھے اور جن پر علماء فخر کرتے تھے اور جن کے بغیر وہ کسی کو عالم اور قابل التفات نہیں سمجھتے تھے۔

شاہ صاحب کے طریقہ تعلیم اور ان کی ذکاوت کے جو واقعات مشہور ہیں اور بزرگوں سے منقول چلے آ رہے ہیں ان کی تصدیق وہ حضرات مشکل سے کر سکیں گے جن کا اعتقاد ہے کہ علم و فہم نبوت کی طرح کتب معقولات کے مستغنیں اور ان کے شرح پر ختم ہو گیا تھا اور اب صرف ان کی بات سمجھ لینا اور سمجھا دینا ہماری عقل و اجتہاد کی آخری حد ہے جس کے آگے اتحاد کی سرحد شروع ہوتی ہے، مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی کی روایت ہے (جو غالباً انھوں نے اپنے اساتذہ و اکابر سے سنی ہوگی) کہ شاہ اسماعیل صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب سے لائق لبین پڑھتے تھے (اہل علم جانتے ہیں کہ یہ کس درجہ کی کتاب ہے) اور اس طور پر پڑھتے تھے کہ دو دو چار چار ورق پڑھتے، کہیں شاہ اسماعیل صاحب کچھ پوچھ لیتے، کہیں شاہ عبدالقادر صاحب کچھ بتا دیتے ورنہ یوں ہی پڑھتے جاتے تھے، اس زمانہ میں مولوی فضل امام صاحب خیر آبادی صدر امین ہو کر دہلی

آئے ہوئے تھے، اتفاق سے ایک دن وہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور سبق ہو رہا تھا، وہ اس حیرت انگیز سبق کو دیکھ کر متعجب ہو رہے تھے، اتفاقاً شاہ صاحب انار سبق میں کسی ضرورت سے اٹھے تو انہوں نے کہا، صاحبزادے کیوں مصنف کی روح کو تکلیف دیتے ہو، وہ پاس ادب چُپ ہو رہے لیکن شاہ صاحب آگئے اور انہوں نے سن لیا، فرمایا کہ مولوی صاحب اس لڑکے سے کچھ پوچھیے تو اس کا حال آپ کو معلوم ہو پہلے تو مولوی فضل امام صاحب نے گریز کیا لیکن آخر انہوں نے ایک مسئلہ افق البین کا پوچھا، مولانا اسماعیل صاحب نے نہایت شائستگی سے جواب دیا، پھر انہوں نے اس کو رد کیا پھر انہوں نے جواب دیا، اس رد و قدح کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ مولوی صاحب مولانا اسماعیل صاحب کی پیچیدہ تقریر کا غور کر کے جواب دینے لگے اُس وقت خاموش ہوئے لے

ایک ولایتی طالب علم خیالی پڑھنے کی غرض سے ہندوستان آیا، یہاں اُس نے پوچھا کہ کون سا زیادہ ذہین اور ذکی ہے، معلوم ہوا کہ مولانا اسماعیل صاحب ہیں، ان کے پاس آیا اور استدعا کی، پیشتر انہوں نے فرصت نہ ہونے کا حیلہ کیا، آخر الامر جب اس نے زیادہ مجبور کیا تو فرمایا اچھا فرصت کے وقت اس نے بغل سے نکال کر ایک کتاب دی انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا خیالی کا عبد الحکیم ہے، آپ نے کہا کہ یہ کیوں یہاں چھوڑے جاتے ہو؟ اُس نے کہا، بے عبد الحکیم کے خیالی حل نہیں ہوتی، اس پر مولانا نے فرمایا کہ عبد الحکیم بیچارہ کیا ہے جو میرے خیالوں میں باتیں آتی ہیں وہ عبد الحکیم کے خیالوں سے بدرجہا بہتر ہیں اُس نے کتاب تو اٹھالی لیکن بہت ہی بد دل ہوا کہ جب ان کی یہ کیفیت ہے کہ عبد الحکیم کو کچھ نہیں سمجھتے تو خیالی خاک سمجھتے ہوں گے لیکن چونکہ صرف خیالی ہی کی غرض سے اس نے اتنی مسافت طے کی تھی، بٹھرا گیا اور وقت مقررہ پر آیا جب سبق شروع ہوا تو اس کو معلوم ہوا کہ واقعی ان کی نازک خیالیوں کے سامنے عبد الحکیم کوئی چیز نہیں ہے لے

ہمارے یہاں ہندوستان میں مدت سے معقول بھی منقول بنا ہوا ہے جس میں سوائے نقل و شرح کے نہ کسی نقطہ کا اضافہ ہو سکتا ہے نہ ترمیم، نہ کسی نظریہ پر نظر ثانی ہو سکتی ہے نہ اجتہاد، سرسید احمد خاں مرحوم کے "آثار الصنادید" میں شاہ صاحب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ منطق میں آپ کا ایک رسالہ ہے جس میں آپ نے بدلائل و براہین ثابت کیا ہے کہ شکل رابع اجلی البدیہیات میں سے ہے اور شکل اول اسکے برعکس اور آپ کے معاصرین میں سے کوئی اس کا رد نہ کر سکا، سرسید لکھتے ہیں کہ :

"اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ مذکور فرمائے کہ اگر معلم

اول موجود ہوتا تو اپنے دلائل کو تار عنکبوت سے شست تر سمجھتا۔ لہ

مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی مرحوم آپ کے معاصر تھے، ان سے اور شاہ صاحب سے بہت

علمی مباحثے اور دینی مناظرے ہوئے جن سے شاہ صاحب کی دماغی قابلیتیں اور علمی تفوق اچھی طرح ظاہر ہوا ہے۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے تھے کہ :

"مولانا رشید الدین صاحب (جو شاہ عبدالغفری صاحب کے شاگرد تھے

اور بوجہ اپنی ذکاوت و استعداد کامل کے رشید المتکلمین کے نام سے یاد کیے جاتے

تھے) — ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلباء سے فرمائے گئے کہ مولانا اسماعیل

صاحب شہید کو بینیات کے ساتھ شغف ہے باقی معقولات کی طرف کچھ توجہ

نہیں ہے، مطلب یہ تھا کہ مولانا کو معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں۔ اتفاقاً مولانا

شہید کو ایک دن بخارا گیا اور مولانا رشید الدین خاں صاحب عیادت کو تشریف

لے گئے، مولانا شہید فرمائے گئے کہ مولانا آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا، اسی

پریشانی و انتشار کی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ اعتراضات پیدا ہوئے، مولانا رشید الدین خاں صاحب باہل ساکت رہے واپس ہونے پر ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسماعیل صاحب شہید کو معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں، فرمایا بیشک میں نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آ جائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ لے

یہ تو حال آپ کا معقول میں تھا جس کو آپ نے ہتھیار کے طور پر حاصل کیا تھا، رہا منقول، تو آپ کے گھر کی میراث تھی لیکن آپ نے صرف اس میراث ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنے کسب سے اس میں اضافہ کیا اور ساری دُنیا نے اس میں آپ کی امامت کی شہادت دی۔

تقریروں کے سننے کا تو اب موقع نہیں جن کی اس وقت بڑی دھوم تھی، لیکن دینی مسائل پر آپ کی تحریریں یادگار ہیں، منصب امامت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کے صحیفے اور کتب خانے آپ کی آنکھوں کے سامنے کھلے نہیں، جہاں سے چاہتے ہیں نقل کرتے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر کتابیں سفر اور ایسی حالت میں لکھی ہیں کہ آپ کے پاس مشکل سے کوئی کتاب رہی ہوگی، ہتدلال ایسا صحیح ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یا حدیث اسی موقع کے لیے تھی، پھر استنباط استخراج اور نکتہ آفرینی تو آپ کا حق ہے۔ پنجتار میں علماء کے اجتماع کے موقع پر جس میں دو ہزار علماء اور دو ہزار کے قریب طلباء شریک تھے آپ نے امام کی مخالفت کا حکم بتایا اور فرمایا کہ فلاں فلاں کتابوں کے فلاں فلاں باب فلاں فلاں فصل میں دیکھئے، کتابیں علماء کے پاس تھیں انھوں نے دیکھیں تو کچھ فرق نہ پایا۔

لکھنؤ میں مولوی دلدار علی صاحب مجتہد نے آپ کے اس سوال کا جواب کہ تقیہ اور نفاق میں کیا

فرق ہے؟ بڑی عرق ریزی، مشورہ اور کتابوں کے حوالہ سے بہت طویل لکھ کر بھیجا، مولانا عبدالحی صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ اس کے جواب کے لیے بہت بڑے کتب خانہ کی ضرورت ہے جو سفر میں ملتیں نہیں، مولانا اسماعیل صاحب نے قلم برداشتہ اس کا جواب لکھ دیا۔

آپ کی تصانیف اور علم میں وہ سب خصوصیتیں موجود ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا حصہ ہیں اور جو ہندوستان کے علماء و مصنفین میں نایاب ہیں اور جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے یہاں ملتی ہیں یعنی شانِ اجتہاد، علم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی، سلامت ذوق، قرآن و حدیث کا خاص تفقہ اور استحضار، زورِ کلام۔ لے

یہ تو علم کا حال تھا لیکن ایک چیز علم ہے اور دوسری چیز علم سے نفع، اس دوسری چیز میں شاہ صاحب خاص طور سے ممتاز تھے، آپ کا گھر قرآن و حدیث کا سب سے بڑا مدرسہ تھا، شاہ عبدالرحیم صاحب کے وقت سے یقیناً قرآن و حدیث ان لوگوں کا وظیفہ تھا، سنت و شریعت کی نہریں ہندوستان سے اور ہندوستان سے باہر یہیں سے جاری ہوئیں لیکن اس کے باوجود آپ کے وقت تک حضرت شاہ عبدالغفر صاحب و شاہ عبدالقادر صاحب کی موجودگی میں اس خاندان میں بہت سی بدعات و رسوم رسماً جاری تھیں بیوہ کا نکاح ثانی اسی طرح غیر مروج تھا جس طرح دوسرے خاندانوں میں، بی بی کی صحنک ہوتی تھی۔ گیارہویں کا کھانا آتا تھا، شاہ صاحب نے قولاً و عملاً اس کی مخالفت کی اور یہ چیزیں موقوف ہوئیں۔

بی بی کی صحنک کے خاص آداب و احکام نہیں مثلاً کھانے والی کوئی ایسی عورت نہ ہو جس نے دوبارہ شادی کی ہو۔ کوئی بیوہ یا کنواری نہ کھائے اس کو کوئی مرد نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ۔

لے مولوی سید جعفر علی منظورہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا فرماتے تھے کہ مجھے تعبیر میں دخل نہیں جیسے لوگ اپنی عقل اور قرآن سے تعبیر دیتے ہیں اسی طرح میں بھی تعبیر دے دیتا ہوں البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کے معانی کا علم مجھے عطا کیا ہے، بظاہر میں نے یہ علم استاد سے حاصل کیا ہے لیکن اصل علم اتقانی ہے۔

ایک مرتبہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے یہاں بی بی کی صحنک ہو رہی تھی، مولانا نے منع فرمایا، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے فرمایا کہ اسمعیل یہ تو ایصالِ ثواب ہے، اس میں کیا حرج ہے، مولانا نے فرمایا کہ حضرت پھر اس کے کیا معنی ہیں وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْتٌ حَجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِنِعْمِهِمُ (الانعام) (اور انہوں نے کہا) کفار عرب نے (یہ جانور اور کھیتی منوع ہے ان کو صرف وہ کھائیں گے جن کو ہم چاہیں گے اپنے خیال سے) ان دونوں میں کیا فرق ہے؛ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ واقعی درست ہے ہمارا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا اور گھر میں عورتوں کو منع کر دیا کہ خبردار اس کو ہرگز نہ کرنا دوسری اور بہت ممتاز خصوصیت آپ کی یہ ہے کہ علماء کا ایک دائرہ تھا جس سے وہ باہر نہیں جاتے تھے، اس دائرہ کے حدود درس و تدریس تصنیف و تالیف اور مجمعہ وغیرہ کا وعظ تھے۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر اور اشاعتِ حق کا جتنا کام اس دائرہ کے اندر رہ کر ہو سکتا تھا وہ کیا جاتا تھا لیکن یہ بھی ان بزرگوں کا ذکر ہے جو قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے یا ان میں تصنیف کرتے تھے یا وعظ و تقریر کرتے تھے، علماء کا ایک بہت بڑا گروہ ایسا بھی تھا جن کے یہاں معروف و منکر کی کوئی تقسیم نہ تھی، ہدایت و فضیلت بے معنی الفاظ تھے، سنت و بدعت کے الفاظ ان کے لغت میں نہیں تھے، یہ ساری عمر معقولات کی کتابیں پڑھاتے، اگر کچھ لکھتے تو وہ کسی متن کی شرح یا کسی شرح کا حاشیہ ہوتا، کچھ کہتے تو وہ کسی مسئلہ کی تقریر یا کسی تقریر کا رد یا مخالف سے مناظرہ ہوتا، عام اصلاح و ارشاد کا کام دونوں کے دائرہ سے خارج تھا، میدان خالی پا کر دجالوں، شیطانوں، جاہلوں اور شکم پروروں نے اپنے جال بچھا دیے تھے اور اللہ کی مخلوق کا زیادہ حصہ ان میں پھنسا ہوا تھا۔

شاہ صاحبؒ نے اس دائرہ سے باہر قدم نکالا اور وہاں پہنچے جہاں آج تک روشنی نہیں پہنچی

۱۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے بھی خاص خاص آداب و احکام تھے سب نہیں کھا سکتے تھے۔ اسی طرح سے ایک دوسری آیت ہے وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِن يَكُن مِّمَّتَهُ فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ

تھی وہاں بھی گئے جہاں مقدس و پاکباز جاتے شرماتے ہیں جہاں سے علماء و صلحاء کتراتے ہیں۔ بہر اس سبب گئے جہاں ان کی ضرورت تھی، جہاں حق کی آواز نہیں پہنچی تھی اور جہاں جاہلیت کی رات تھی، اسلام کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا، انھوں نے اپنا خیال نہیں کیا، ضرورت مندوں کا خیال کیا، وہ یہ بھول گئے کہ وہ اس شاہ ولی اللہ کے پوتے ہیں جن کا نام لینا معصیت و غفلت کے اُن سیاہ خانوں میں گناہ ہے، اُس عبدالغزیز کے جتنی بھی ہیں جو اپنے علم و فضل سے بادشاہت کر رہے ہیں۔ ان کو صرف یہ یاد رہا کہ وہ ایک عالم ہیں جن پر تبلیغ و امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہے اگر انھوں نے اس میں کوتاہی کی تو سارا دہلی قیامت میں اُن کا دامن پکڑے گا، قرآن و حدیث کی وعیدوں کا اُن سے زیادہ جاننے والا کون تھا، ایسے اصحابِ عزیمت یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیا میں اور لوگ بھی ہیں اور یہ فرض اُن کا بھی ہے، شاہ صاحب شہر میں کوئی شرک و بدعت، کوئی فسق و مجور اور کسی قسم کی معصیت و منکر دیکھتے تو ان سے زیادہ اپنے کو گناہگار سمجھتے اور میدانِ حشر کا نقشہ اُن کے سامنے پھر جاتا کہ جب یہ خدا کے سامنے علماء کا دامن پکڑیں گے کہ ان بنیادوں نے ہم بنیادوں کا ہاتھ نہیں پکڑا، ابھی تک اطباء اُمت منتظر تھے تھے کہ مرض اُن کے پاس آئیں لیکن شاہ صاحب نے خود مریضوں کے یہاں حاضری دینی شروع کی، اس لیے کہ یہ اس وقت تھا کہ مریضوں کو اپنے مرض کی طبیعوں سے زیادہ فکر ہو لیکن یہاں معاملہ برعکس تھا۔

شاہ صاحب نے دہلی میں وعظ کہنا شروع کیا، جامع شاہجہانی سے لے کر فسق و مجور کے مرکزوں تک خدا کا پیغام پہنچایا، شریعت کے احکام سنائے، اپنی مخصوص و شہرہ آفاق جرأت و شجاعت سے شرک و بدعت کا رد کیا، توحید و سنت کی منادی کی۔

چند ہی دنوں میں لال قلعہ سے لے کر جھونپڑوں تک زبانوں پر آپ کا نام تھا، گھر گھر آپ کے مواعظ اور نئے عقائد کا چرچا تھا، کہیں بھلائی سے کہیں بُرائی سے، لیکن بُرائی سے زیادہ۔ اکثر لوگوں کو یہ باتیں نئی معلوم ہوئیں، عورتیں اور دلی کے بڑے بڑے کتھے تھے کہ یہ سہیل کون سا نیا عالم پیدا ہوا ہے جو روزنی نئی باتیں کہتا ہے جو آج تک دہلی کے عالموں اور ہمارے بزرگوں نے نہیں کہیں، چند ہی دنوں میں دہلی ایسے شہر میں جہاں آپ کے خاندان کا سکہ چل رہا تھا، آپ کے سیکڑوں مخالف پیدا ہو گئے، ہر وقت آپ کی جان کا خطرہ تھا

دُنیا دار و پشیمہ و علماء و مشائخ نے اہل کتاب کے اجبار و رہبان کی عادت کے مطابق جیسا کہ قرآن میں ہے:
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَجْبَارِ
 وَالرُّهْبَانِ لِيَآكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ
 بِالْبَاطِلِ وَيُصَدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
 لے ایمان والو بہت سے علماء اور مشائخ لوگوں
 کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے
 روکتے ہیں۔

سارے شہر میں آپ کے خلاف آگ لگا دی اور وہ سارے ہتھیار آپ کے خلاف استعمال کیے
 جو اہل ہوا علماء و سوراہل حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر عوام آپ کے نام سے بیزار ہو گئے
 دہلی کے اوباش آپ کی جان کے دشمن ہو گئے، سب بازار آپ کو گالیاں دی جاتیں اور سارے شہر میں آپ سے
 برا کوئی نہ تھا، عبداللہ بن سلام کی طرح لوگ آپ کے باب میں بھی بھول گئے کہ آپ کس کے پوتے اور کس کے
 بھتیجے اور خود کیا ہیں لے

آپ سے لوگ اس کی شکایت کرتے تو آپ فرماتے کہ بھائی ان کا قصور نہیں ہے، یہ ہمارے علماء
 کا قصور ہے کہ کیوں انہوں نے پہلے ہی سے واشگاف بیان نہیں کیا جس کے سننے سے اب ان کو وحشت
 ہوتی ہے۔

صاحب ذکر علی ایک قصہ مولوی محمد علی صاحب رامپوری کی زبانی تحریر کرتے ہیں کہ ایک روز مولوی
 اسماعیل صاحب، مولوی شاہ عبدالغریز صاحب کے مدرسہ کے دروازہ پر کھڑے تھے، آپ نے دیکھا کہ بہت سی

لے حضرت عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہود بڑے مکر نے والے لوگ اور بہتان طراز
 قوم ہے آپ پہلے ان سے میرے متعلق دریافت کیجئے پھر میں ان سے اپنے اسلام کا اظہار کروں گا، آپ نے پوچھا کہ عبداللہ تم میں
 کیسے آدمی ہیں؟ کہا کیا کنا، ہم سب سے بہتر عالم ابن عالم سید ابن سید، یہودی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ کلمہ
 طیب پڑھتے ہوئے سامنے آگئے، یہودی فوراً کہنے لگے کہ یہ خود جاہل اس کا باپ جاہل، یہ خود ذلیل اس کا باپ ذلیل، ہم میں
 سب سے بدتر شخص ہے (بخاری عن انس باب ہجرت النبی)

جوان اور خوبصورت عورتیں رتھوں اور پہلیوں میں سوار ہو کر بلا پردہ کہیں کو جا رہی ہیں، مولوی صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں، ایک شخص نے کہا کہ یہ سب کسبیاں فلانی کسی بڑی کسی کے گھر کچھ تقریباً وہاں جا رہی ہیں، مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہیں، اس شخص نے کہا ہاں مسلمان ہیں، تب مولانا نے فرمایا، تب ہماری بہنیں ہیں کیا خداوند تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھے گا کہ اس قدر مسلمان عورتیں بدکاری و زنا کاری میں گرفتار تھیں اور تم نے انہیں نصیحت نہیں کی، اس واسطے اب تو میں ان کے مکان پر جا کر ان کو نصیحت کروں گا، آپ کے رفیقوں نے کہا کہ آپ کے وہاں تشریف لے جانے سے مخالفین بدنام کر دیں گے کہ کچھ واڑے میں آپ بھی جانے لگے، آپ نے فرمایا کہ اسمعیل کو اس بات کی پروا نہیں، جب اللہ و رسول کا حکم سننے لگا تو ہر ایک کو سنا دے گا، اس واسطے سب کلمہ گو مومنین کا حق برابر ہے، آپ نے اول اپنے دل سے کہا کہ اے دل اگر تیرے بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چلیوں کو کھلائیں یا تیرے جسم کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر کھنچوائیں تو کیا اس وقت بھی اللہ کی بات بولتا رہے گا، دل نے کہا، ہاں، جب تک میرے اندر سانس ہے خدا کی بات کہنے سے کسی عذاب اور عقوبت سے باز نہ آؤں گا۔

جب شام ہوئی مولانا صاحب درویشوں کا سا بھیس بدل کر اس کسی کے مکان پر پہنچے، جہاں سب کسبیاں جمع ہو کر کچھ گا جا رہی تھیں، آپ نے وہاں جا کر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا آؤ اللہ والیو! آؤ اللہ والیو! اس وقت ان چھوڑیوں نے دروازہ پر آکر پوچھا کون ہو، آپ نے جواب دیا کہ فقیر ہے، کچھ صدائے گائے، اور ماشہ دکھائے گا وہ سمجھیں کہ کوئی تماشاگر فقیر ہے دروازہ کھول کر اندر بلا لیا، آپ نے اندر جا کر بہت نرمی سے پوچھا کہ بڑی بی صاحبہ کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا کہ اوپر بالا خانہ میں مع اپنے مہمانوں کے حشر کر رہی ہیں، مولانا صاحب اوپر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ بڑی بی صاحبہ بڑے تزک اور شان سے مع اپنے مہمانوں کے کرسیوں پر بیٹھی ہیں، چاروں طرف شمع دان روشن ہیں، چونکہ مولانا صاحب ایک نامی گرامی اور مشہور شخص ایک بڑے گھرانے کے صاحبزادے تھے، باوجود بھیس بدلنے کے بھی وہ آپ کو پہچان گئی اور اپنی اپنی کرسیوں پر سے اٹھ کر مودب کھڑی ہو گئیں اور پوچھا کہ حضرت آپ نے کیوں کر تکلیف فرمائی، آپ نے فرمایا گھر و نہیں میں

کچھ صدائے انسانے آیا ہوں، تم سب جمع ہو کر اپنی اپنی جگہ میں آرام سے بیٹھ جاؤ، چونکہ ان کی ہدایت کا وقت آ گیا تھا، سب ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھ گئیں، مولوی صاحب نے حائل کھول کر ایسی خوش الحانی سے قرآن پڑھا کہ اسی کو سن کر لوٹ پوٹ ہو گئیں، پھر آپ نے ان آیتوں کے معانی بیان کر کے ہر ایک چیز دنیاوی کی بے ثباتی کا اس طرح ذکر کیا کہ یہاں نہ حسن و جوانی کو قیام ہے نہ مال و زندگانی کو، یہاں کی ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے۔ یہ بیان ایسی شرح و بسط اور فصاحت و بلاغت سے ہوا کہ ہر ایک نے رونا شروع کیا، اس کے بعد مولانا نے موت اور جاں کنڈنی کی سختی اور اس وقت کی سبکی اور وحشت اور اس عالم کی مفارقت کا افسوس ایسے پردرد طور سے بیان کیا کہ ساری عورتیں ہوش باختہ ہو گئیں پھر اس کے بعد قبر کی تنہائی اور منکر و نکیر کا سوال اور وہاں کے عذاب کا بیان اس زور سے کیا کہ قیامت کے دن بدکاروں کے گروہ گرفتار کر کے حاضر کیے جائیں گے اور جو کوئی اس فعل بدکاری کا سبب اور وسیلہ یا موجد و معاون ہوا ہے وہی اس دن اس گروہ کا پیشرو ہوگا جب بروز قیامت تم فرداً فرداً مجرم بدکاری گرفتار کر کے حاضر کی جاؤ گی تو ہر زانیہ کے ساتھ سیکڑوں اور ہزاروں زانی اور بدکار بھی بلائے جائیں گے جن کی زنا کاری اور بدکاری کا تم باعث اور وسیلہ ہوئیں اور تمہارے ہی ناز و ادا نے انھیں اس آفت میں پھنسیا تو خیال کرو کہ اسی حالت سے جب سیکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار تمہارے پیچھے ہوں گے اللہ رب العزت کے سامنے تمہارا کیا حال ہوگا۔ یہ بیان بھی ایسا گرم ہوا کہ کبھیوں کی ہچکیاں بند گئیں، تب آپ نے آپ توبہ سے ان خستہ حالوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے توبہ کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور کہا کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس بیان و وعدہ عفو اور شرح غفاری اس غفور رحیم سے ان بیدلوں کو کچھ ہوش آیا، معاً اس کے بعد آپ نے نکاح کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور آخر میں فرمایا کہ جس کا دل جس سے چاہے نکاح کر لے اور اپنے افعال ماضیہ سے تائب ہو جائے، التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا، جب یہ وعظ ہو رہا تھا، اس کی شہرت تمام شہر میں ہو کر ہزاروں خلقت اس کے سننے کو وہاں آکر جمع ہو گئی تھی، راستے بند ہو گئے تھے، اس پاس کے کوٹھے اور بالاخانے خلقت سے بھر گئے تھے۔ اس

دلپذیر و غلط کا نتیجہ ہوا کہ جس قدر جوان عورتیں قابل نکاح اس مجمع میں موجود تھیں انہوں نے توبہ کر کے نکاح کر لیا اور جو بوڑھی اور سن رسیدہ ناکہ وغیرہ تھیں انہوں نے محنت و مزدوری سے اپنی گزارا کرنی شروع کی یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان مواعظ وغیرہ کا نتیجہ صرف مخالفت ہوا، ہزاروں بندگانِ خدا کو نفع بھی ہوا ہزاروں جاہلیت سے نکل کر اسلام میں آئے، شاہ صاحب کی تقریروں کی کامیابی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ دہلی میں اس سے ہنگامہ مچ گیا اور آپ کی آواز جہاں نہ پہنچ سکتی تھی دشمنوں کے ذریعہ سے پہنچ گئی اور محبت تمام ہو گئی۔

آپ کی زبان میں ایسی تاثیر تھی کہ پتھر موم اور دشمن دوست، منکر معتقد ہو جاتا تھا، اس کے لیے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہو گا جو حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی اپنا چشم دید بیان کرتے ہیں، حکیم خادم علی صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اور کچھ ساتھی جن میں میں بھی تھا شکار کے لیے چلے قطب صاحب کی پرلی طرف میل بھر کے فاصلہ پر ایک گٹھائیں رہتا تھا جو مراض تھا اور اس کے چیلے اس کے پاس رہتے تھے، اسکی کٹی کے اطراف میں سور بہت زیادہ تھے، ہندوؤں کے نزدیک سور بہت عظمت کی چیز ہے، مولانا نے بندوق سے سور کا شکار کیا، اس پر اس گٹھائیں کے چیلوں میں ایک شور مچ گیا اور گٹھائیں سمیت سب کے سب مولانا اور ان کے ہمراہیوں سے لڑنے کے لیے آئے، مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو کر ادھر کو چلے، مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جب تک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا کہ تم دراز می کرو ہم انشا اللہ موراس کو کھلا کر چلیں گے یہ کہہ کر مولانا مسکراتے ہوئے گٹھائیں کی طرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گٹھائیں صاحب ذرا میری بات سن لیجئے اس کے بعد جو آپ کے جی میں آئے کیجیے ہم آپ کے پاس موجود ہیں کہیں جاتے نہیں، غرض اس قسم کی نرم گفتگو سے اس کو نرم کیا، اس کے بعد آپ نے مناسب طور سے اسلام کی دعوت دی اور دونوں جانب سے دیر تک اس معاملہ میں گفتگو رہی، اس کے بعد وہ گوشائیں

اور اس کے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہوئے اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی برا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے، مولانا نے رات کو گوشائیں کے پاس آرام فرمایا اور (مورد) پچو کر اس کو کھلایا۔ لہ

کبھی آپ باتوں اور چٹکوں میں ایسا شرح صدر کر دیتے جو طویل تقریروں اور مناظروں سے نہیں ہو سکتا، بادشاہ کی ایک عزیزہ تھیں جن کا نام بی بھکو تھا، بڑی تیز مزاج اور آتش زبان تھیں، ان سے کسی نے کہا کہ مولانا اسمعیل، بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں۔ وعظ کے حیلہ سے یا کسی اور حیلہ سے آپ کو ان کے یہاں بلایا گیا تاکہ ذلیل کیا جائے، مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور خالی الذہن تھے، آنے کے بعد اچھو حال معلوم ہوا، مولانا نے سگیم صاحب کو اس طرح سلام کیا جیسے چھوٹے بزرگوں کو کرتے ہیں، انھوں نے کہا، اسمعیل! میں نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو، فرمایا اسمعیل کی کیا مجال ہے کہ بی بی کی صحنک کو منع کرے، بی بی کے ابا جان خود منع کرتے ہیں، کہا یہ کیسے؟ آپ نے "کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار" حدیث "من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فہو رد" پڑھ کر اس پر تقریر کی اس پر انھوں نے کہا کہ میں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں ہم تو ان کی رضامندی کے لیے کرتے تھے جب وہ مراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔

ایک روز آپ دہلی میں جامع مسجد کے عوض پڑھیے ہوئے وعظ فرما رہے تھے، اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ ان کے ساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے، یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی، یہاں تک کہ بادشاہ اکبر ثانی کو اس کی شکایت پہنچی، بادشاہ نے مولانا کو بلوایا اور ان سے واقعہ دریافت کیا، مولانا نے واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ یہ تبرکات مصنوعی ہیں اور انکی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں، بادشاہ نے تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ مصنوعی کہتے ہیں، مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کہ میں تو کہتا ہی ہوں مگر آپ اس کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں اور معاملہ بھی انکے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں، اکبر شاہ نے تعجب سے پوچھا یہ کیسے؟ مولانا نے فرمایا "ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لیے نہیں تشریف لے

گئے، یہ سن کر اکبر شاہ چپ ہو رہے، پھر آپ نے کسی سے کہا ذرا قرآن شریف اور بخاری لاؤ، آپ نے ان کو ہاتھ میں لے کر واپس کر دیا، اس کے بعد فرمایا کہ ان تبرکات میں اول تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی، لیکن اگر ان کو اصلی مان بھی لیا جائے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں، بلکہ ان میں محض تلبس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن شریف کے کلام ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، اسی طرح بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق صحیح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اس لیے اس کا بھی کلام رسولؐ ہونا ناقابل انکار ہے اور کلام اللہ اور کلام رسولؐ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بھی ہوتی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہو سکتا مگر باوجود ان تمام ناقابل انکار باتوں کے کلام خدا و کلام رسولؐ آپ کے سامنے آیا مگر آپ نے کوئی تعظیم نہ دی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم اچھے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں، اثنائے تقریر میں بادشاہ گردن جھکائے بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اسی سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے، آپ نے اس کی بھی حرمت بیان کی، بادشاہ نے فوراً اتار دیے، ایک شانہزادہ بیٹھا ہوا تھا، جس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی، اس نے ڈاڑھی رکھ لی۔ لے

سب سے بڑھ کر آپ کا اخلاص، حرص ہدایت اور نیک نیتی تھی اور حقیقت میں سب تاثیر اسی کی تھی، مولانا قاسم صاحب نانوتوی جو خلیفہ و خلیفہ شاہ صاحب سے بہت مشابہ تھے اور اپنے زمانہ کے نہایت خوش بیان واعظ و خطیب تھے، سید صاحب کے دیکھنے والوں نے انقراضِ صحبت کے بعد پھر کسی کا وعظ نہیں سنا البتہ اگر کبھی اتفاق ہوا تو مولوی صاحب مرحوم کا وعظ سنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کا وعظ مولانا اسماعیل صاحب کے وعظ سے بہت ملتا ہے لے

مولانا بہت کم وعظ فرماتے تھے اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو کہہ دیتے، ایک مرتبہ کسی نے اصرار

کیا تو فرمایا :

” وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ مؤثر ہو سکتا ہے، وعظ کام تھا مولانا سمیع صاحب شہید کا اور انھیں کا وعظ مؤثر بھی ہو سکتا تھا، دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اس وقت تک بے چینی رہتی ہے جب تک وہ ان سے فراغت حاصل نہ کر لے اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اس کے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے اور طبیعت اس کی اسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پا کر قضائے حاجت کے لیے جاؤں، سو واعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لیے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اگر اتنا بھی نہ ہو تو نہ واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اس کا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے۔ ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا نہیں جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اس لیے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں نہ ہمارا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے ہاں یہ تقاضا مولوی اسماعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے تھے ان کو چین نہ آتا تھا، چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے، اس لیے وہ وعظ کے اہل تھے اور ان کا وعظ مؤثر بھی ہوتا تھا لے

علمی کمالات اور عملی جدوجہد کے ساتھ شاہ صاحب دولت باطن اور کمالات روحانی سے بھی مالا مال

تھے اور بغیر اس کے دعوت و عزیمت کا اتنا عظیم الشان کام اور اخلاص و ہمتاقت کا تمام حاصل ہونا مشکل ہے اس سلسلہ میں آپ کے غلو مقام کا اندازہ آپ کے حالات اور کسی قدر تصنیفات سے ہو سکتا ہے مولوی سعید غفر علی

جن کو سفر جہاد اور قیام سرحد کے دوران میں آپ کی ماتحتی میں کام کرنے کا موقع ملا ہے، کھتے ہیں کہ مولانا فرماتے تھے کہ مجھے نماز میں غفلت نہیں ہوتی، ہوتی ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ متذنب فرما دیتا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ آخری رمضان میں مولانا اس قدر بیمار اور ضعیف تھے کہ تراویح میں شرکت نہیں کر سکتے تھے، ایک روز آپ نے شرکت فرمائی اور چار کعتیں خود پڑھائیں جن میں سورہ اسرار پڑھی، مولوی جعفر علی کہتے ہیں کہ جو لذت اس نماز میں آئی وہ نہ اس سے پہلے کبھی آئی تھی نہ اس کے بعد کبھی آئی (منظورہ)

شاہ صاحب زبانی وعظ و تبلیغ اور اس کے نتیجہ پر قانع نہ تھے، ان کی اولوالعزم طبیعت اسلام کی اصلاح اور پابدار خدمت کے لیے بے چین رہتی تھی، انھوں نے ساہا سال کے عملی تجربہ سے محسوس کیا کہ ان کے مواظبت سے چند سعید رُو ہیں اور چند سلیم طبیعتیں ضرور فائدہ اٹھائیں گی، اگرچہ یہ اپنی نجات و برکت کے لیے کافی ہو لیکن اس سے کوئی خاص انقلاب نہیں ہوگا، اس کے لیے کہ شریعت حکومت سے لے کر گھر تک کا قانون ہو، ملک میں سنت ہی کا سکہ چلے، قوت اور اقتدار کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحب اسلام کے سپاہی بنا چاہتے تھے اور سپاہی کو ان تمام ہتھیاروں کی ضرورت ہے جو دشمن کے پاس ہوں یا جن کی ضرورت پڑے اور پہلے بھی آپ نے علم کو ہتھیار کے طور پر حاصل کیا کہ اسلام کی خدمت کے لیے علم بھی ایک ہتھیار ہے پھر اپنے کو جہاد کے لیے تیار کیا، اس وقت کے تمام اسلحہ کا استعمال کیا، میدان جنگ کی تمام سختیوں اور جفاکشیوں کا عادی بنایا، اس لیے کہ مقصود اسلام کی خدمت تھی، خواہ عالم بن کر خواہ واعظ بن کر، خواہ میدان کا سپاہی بن کر مال سب کا ایک ہی تھا۔

یہ کس قدر تفقہ اور حکمت و فراست تھی اور صرف علماء ہی کے گروہ میں نہیں بلکہ اُس وقت بلجائیت عام مسلمانوں میں کتنی نئی اور عالی تہمتی کی بات تھی کہ جس وقت تیموری شاہزادے بابر وہابیوں کی تلواروں سے فتح کی ہوئی سلطنت کھو کر اپنے عشرت خانوں میں مٹیھی بنید سوتے تھے یہ اللہ کا بندہ اس دُصن میں ہوتا تھا کہ اپنے جہاد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی سلطنت عادلہ شریعہ دنیا میں دوبارہ لوٹ آئے اور یہ اسی مقصد کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے :

الَّذِينَ اِنْ مَكَّنَّا هُمْ فِي الْاَرْضِ
 اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا
 بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ -
 وہ لوگ جن کو جب زمین میں قدرت دی تو وہ نماز
 قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں، بُرائی سے
 روکیں۔

اس وقت آپ کا ہر لمحہ اسی کی تیاری کے لیے صرف ہوتا تھا، دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب
 لوگ خس خانوں میں ہوتے اور کوئی اپنے عافیت خانہ سے منہ نہ نکالتا، آپ جامع مسجد فتحپوری کے توڑے کی طرح جلتے
 ہوئے پتھر پینگے پاؤں چلتے تاکہ میدانِ جہاد میں اگر اس کا موقع ہو تو تکلف نہ ہو، مسلسل ہفتوں جلنے کی عادت
 ڈالی، عین وقت پر بلا تاخیر سوجاتے اور عین وقت پر جاگ جاتے، کئی کئی روز مسلسل بھوکے پیاسے رہتے، کئی کئی روز
 مسلسل پانی میں رہنے اور پیرنے کی مشق کی، ہر فن کے اہل کمال سے مردانگی کے فنون، بنوٹ، شمشیر زنی، نیزہ
 بازی، قادر اندازی حاصل کیے اور ان میں پورا کمال پیدا کیا، یہاں تک کہ دور دور آپ کا جواب نہ رہا، اکثر ایسا ہوا
 کہ آپ کے مخالفین آپ کو جامع مسجد یا مسجد فتحپوری کے فرش پر تن تہا ٹھیلے ہوئے دیکھ کر آپ پر حملہ کرنے کیلئے
 آئے، جیسے ہی پتھر پیر کھا، معلوم ہوا جلتے ہوئے توڑے پر پیر پڑ گیا بیتاب ہو کر اٹھایا، معایہ خیال آیا کہ یہ
 شخص ولی ہے جو اس بے پروائی سے اس آگ پر چل رہا ہے اور فوراً معتقد ہو کر تائب ہو گئے اور جاں نثار بن گئے
 کبھی لوگوں نے ایسے وقت آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اَلْوَسْعًا

اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، فرمایا یہی دیکھا ہوں کہ میری وسعت اور طاقت کتنی ہے؛
 گولی لگانے کی ایسی مشق تھی کہ اعتماد کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ناممکن ہے کہ کوئی چڑیا سامنے آئے
 اور بچ جائے، کسی نے کہا کہ اگر اس کی قضا ہی نہ ہو؛ فرمایا کہ جس کی قضا نہ ہوگی وہ میرے سامنے آئے ہی گی نہیں،
 آئے گی وہی جس کی قضا ہوگی۔

ان فنون میں بھی آپ کے کمالات، آپ کے کمالات علمی و دماغی سے کم نہیں رہے۔ بعد کی صدی جنگوں
 میں آپ کی مردانگی اور شجاعت کے جوہر کھلے اور معلوم ہوا کہ یہ شخص منقہ و محدث و فقیہ کے ساتھ کتنا بڑا جنرل اور کتنا بہتر
 فوجی اور سپاہی ہے۔ لشکرِ مجاہدین کے آپ ہی سپہ سالارِ اعظم تھے اور آپ کی فوجی قابلیت و جنگی مہارت نے بڑی

ناقابلِ تسخیر مہتموں کو چٹکیوں میں سر کیا اور بڑے بڑے نازک موقعوں پر آپ نے اپنے فن اور تدبیر سے میدانِ جنگ کا نقشہ بدل دیا۔

آپ کا یہ کمال آپ کے دشمنوں کو بھی تسلیم تھا، آپ کی ہیبت ان کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی لہٰذا اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر اہل کمال نادانستہ طریقہ پر ایک دوسرے صاحب کمال کے منتظر و محتاج ہوتے ہیں، قدرت ان کے سارے کمالات کے ساتھ ان میں ایک خلا رکھتی ہے جو صرف اس وقت بھرتا ہے جب یہ دوسرا آدمی ان کو مل جاتا ہے پھر یہ کیمیا بن جاتے ہیں، جس طرح بغیر دو آروں کے بلے ہوئے بجلی نہیں پیدا ہوتی اسی طرح اس اتصال و اشتراک کے بغیر وہ قوت کہر بائی نہیں پیدا ہوتی جو دلوں اور قلعوں کو تسخیر کرتی ہے۔

مولانا نے سید صاحب سے بیعت کی، بیعت کے بعد آپ کا یہ حال تھا کہ سید صاحب کی جوتیاں اٹھانے پاکی کے پیچھے پیدل چلتے، رکاب تھامتے، شکار بند پکڑ کر چلتے، مولوی محمد حسین صاحب کہتے ہیں :

” راستہ میں حضرت فرماتے کہ مولانا خدانے سواری دی ہے، سوار ہو لو، بس جا کر سوار ہو جاتے، بیس قدم چل کر پھرتا پڑتے اور شکار بند آکر پکڑ لیتے پھر حضرت فرماتے مولانا منزل تک سوار ہو چلو، ہاتھ باندھ کر عرض کرتے کہ حضرت، سہیل کو اتنی بھی مفاہقت گوارا نہیں“ لے

مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی فرماتے ہیں کہ :

لے مولوی سید جعفر علی منطوقہ السعداء میں لکھتے ہیں کہ مولانا کا رعب و آئینوں کے دلوں پر ایسا بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ ایک دانی ایک عورت کے گھر میں گھس کر وہاں کا سامان اٹھانے لگا، اس عورت نے پکار کر کہا کہ مولوی سہیل صاحب آپ کہاں ہیں؟ دانی میرے گھر کا سامان لیے جا رہا ہے، یہ سنتے ہی وہ دانی سامان چھوڑ کر بھاگ گیا، اس موقع پر مولوی صاحب نے یہ شعر لکھا ہے :

لے نشانِ حیدری ز جبین تو آشکار

نہم تو وہ نبرد کسند کار ذوالفقار

”جب حضرت سید صاحب کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی تو دیوبند کے بوڑھے بوڑھے لوگ استقبال کو نکلے، شہر کے باہر ایک بزرگ کا مزار ہے وہاں تک پہنچے کہ سید صاحب نظر آئے، ایک ٹانگھن پر سوار تھے اور دونوں طرف دو شخص رکاب تھامے ہوئے چلے آتے تھے۔ ان لوگوں نے آگے بڑھ کر ملاقات کی، اس وقت تک دونوں بزرگوں کی ظاہری وضع و ہیئت سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ..... کہ یہ کون ہیں؟ سید صاحب نے فرمایا کہ ان سے ملو، یہ مولانا محمد اسماعیل و مولانا عبدالحی ہیں“ لے

مولانا محمد حسین صاحب فرماتے ہیں کہ :

”ایک شخص نے شاہ صاحب سے کہا، حضرت آپ کی عمر اور سید صاحب کی ایک ہے، فرمایا کہ عمر، عمر سید صاحب کی ہے، میری کیا عمر، میں ان کا غلام ہوں، اس لفظ کو مکرر کہتے رہے“ لے

”تیکہ (رائے بریلی) کے قیام میں یہ فاضل بے بدل سید صاحب کے فرمائے ہوئے مضمون کو تختی پر لکھتا اور سید صاحب کو سنا تا، سید صاحب کبھی کبھی پانچ پانچ مرتبہ دھلاتے اور لکھواتے اور آپ کی پیشانی پر شکن نہ آتا“ صراطِ مستقیم میں تین تین چار چار سطروں کے القاب میں سید صاحب کا نام لیتے ہیں۔

بیعت کے بعد سے سفرِ حضر میں مولانا عبدالحی و مولانا محمد اسماعیل دونوں بزرگ سید صاحب کے ساتھ ہے رائے بریلی کے قیام میں ہر حال میں شریکِ حال رہے، فاقے کئے، لکڑیاں کاٹیں، گھاس چھیلی، انہیں تھاپیں بھگانا اور سجدیں بنائیں۔

مولوی محمد جعفر صاحب ”سوانح احمدی“ میں آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :

”جس تاریخ سے یہ دونوں بزرگ داخلِ خدمت ہوئے تھے، اس تاریخ سے تا مرگ

بلا کسی دینی ضرورت کے آپ کی خدمتِ بابرکت سے ایک دم بھی علیحدہ نہیں ہوئے اور حق تو یہ ہے کہ ان بزرگوں نے سید صاحب کو خوب پہچانا تھا ان کی جاں نثاری اور فرما بزداری ضرب المثل ہے، یہ دونوں بزرگ آپ کی پاکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنے کو فخر دارین جانتے تھے اور ان دونوں سراجِ علماءِ دہلی نے جن کی تعظیم بادشاہِ دہلی تک کرتے تھے، اپنے تئیں بالکل بٹا دیا تھا۔ پاخانہ کھاتے، چکی پیستے، دانہ دلتے، گھاس کھوتے، بوجھ اٹھاتے، سائسی کرتے، غرض کسی ذلیل سے ذلیل کام سے بھی آپ کو عار نہ تھا، روحانی برکت حاصل ہونے کے بعد یہ دونوں خاندانی بزرگ معتدائے قوم و امیر زادے ناز و نعمت میں پلے ہوئے، دہلی سے خوش خوراک اور خوش وضع شہر کے باشندے اب کچی کھچی یا کھڑی یا اسکی کھرچن کھا کر یا دو تین وقت کڑاکے کے فاتے کھینچ کر اور چٹائیوں یا خالی زمین پر سو کر ایسے خوش خرم اور شاداں و فرحاں رہتے تھے کہ وہ کبھی ان کو دہلی کے پلاؤ تو رورہ و تشک و تکیہ میں بھی بضیب نہیں ہوتی تھی۔

رائے بریلی سے سید صاحب کی سعیت میں آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور سید صاحب کے ساتھ قیام فرمایا اور اصلاح و ارشاد کا کام اسی زور شور سے شروع کر دیا جیسے دہلی میں آپ کرتے تھے، آپ کے مواعظ میں سارا شہر ٹوٹ پڑتا تھا اور سجدوں میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی تھی، لکھنؤ میں آپ کی قدرتِ لسانی و سحر بانی کی شہرت پہلے سے تھی، اُمراء و حکام سے لے کر غربا تک آپ کے وعظ کے شائق تھے۔ بادشاہ سے لے کر عوام تک ان تقریروں سے متاثر ہوئے اور لکھنؤ میں اصلاحِ خیال کی ایک لہر دوڑ گئی۔

لکھنؤ کے کامیاب سفر کے بعد آپ برابر سید صاحب کی خدمت میں رہے، اسی زمانہ میں "تقویۃ الایمان" لکھی، جس نے ہندوستان میں ایک انقلاب برپا کر دیا، اس کی مخالفت میں جو کچھ کہا یا کیا گیا ہے اس کی تاثیر اور اہمیت کی دلیل ہے، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے تھے کہ مولوی اسماعیل صاحب کی حیات ہی میں اس سے دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو نفع ہوا تو اس کا تو اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔

حج سے آنے کے بعد آپ نے گلی کوچہ اور شہر و قریہ میں جہاد کا وعظ کیا اور ہزاروں آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سر دینے پر آمادہ کر لیا، پھر تیسرا صاحب اور صد ہا مجاہدین و مہاجرین کی سعیت میں آپ نے ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور سفر جہاد کیا جو خود جہاد سے کم نہ تھا، پھر آخری سال تک اسی عبادت میں مشغول رہے اور کبھی بھول کر بھی اپنے وطن کا خیال دل میں نہ لائے، نہ کبھی آسائش و آرام اور اعزاز و اکرام کی اس زندگی کو یاد کیا جس کو آپ ہندوستان میں چھوڑ کر آئے تھے، آپ کی یہ قربانی کچھ کم نہ تھی کہ آپ نے اس مقصد عزیز کے لیے دولت و عزت اور امیرانہ زندگی کو خیر باد کہہ کر فقر و فاقہ، جنکشی اور ہر وقت خطرات سے بھری ہوئی زندگی اختیار کی میدان جہاد سے اپنے ایک دوست شاہ تیسرا طالب اللہ کے نام ایک خط میں آپ نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے جو آپ کا اور آپ کے بہت سے رفقاء کا حال تھا۔

مخدوم ما مردم را کار دنیاوی در ہر آن لصد مرتب
 بہتر از کار و بار ایشان لاحق حال بود، چه ما
 مخلصان ہم از نوع بشر ہستیم، نہ از قسم ملک
 و ساکنان زمین ہستیم۔ نہ کرو بیان فلک، انواع
 معاش ہزار مرتبہ از ایشان بہتری داشتیم، و خود
 را از ملوک زمین و زماں می پنداشتیم لکن از بسکہ
 از جملہ مسلمانان کلمہ گو بودیم و از جنس طالبان حق جو،
 چوں رضائے مولائے خود منحصر در اقامت جہاد و
 یافتیم آن ہمہ مشاغل بہودہ را محض حسبہ شد
 بگذاشتیم۔

مخدوم من! ہم لوگ دنیاوی کار و بار بھی ان لوگوں سے
 (جو اپنی مشغولیت و ذمہ داری کا عند بیان کرتے ہیں)
 سیکڑوں گنا زیادہ رکھتے تھے اس لیے کہ ہم نیاز مند بھی
 انسان ہی ہیں فرشتہ نہیں اور زمینیں مخلوق ہیں، آسمانی
 نہیں، ذرائع معاش ان سے کہیں بہتر رکھتے تھے، اور
 اپنے کو بادشاہ سمجھتے تھے لیکن چونکہ کلمہ گو مسلمانوں کے
 گروہ میں تھے اور حق کے طالب اور جو یا تھے، جب ہم
 نے دیکھا کہ مالک کی مرضی اس وقت جہاد کے قائل کرنے
 ہی میں ہے، ان تمام بیکار مشاغل کو اللہ کی خوشی کے
 لیے خیر باد کہہ دیا۔

اس مقصد کا حقیقی عشق اور اس کی راہ میں اخلاص کا ایسا مقام اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا کہ
 نفسانیت اور جاہ طلبی اور خودی کا نام و نشان باقی نہیں رہا تھا، اسی خط کے ایک ٹکڑے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے

فرماتے ہیں :

اگر جناب امام ہمام مرازیں عسکر سعادت پیکر
بصد عنف و اہانت بیروں فرمایند و بصد
خواری و مذلت اخراج نمایند ہرگز ہرگز
انفکاک ازیں جنود اطلاق نتوانم و جان خود باز
بصد حیلہ و فن از خدام ایشان رسانم۔
اگر تید صاحب مجھے اس مبارک لشکر سے نہایت سختی
اور ذلت و اہانت کے ساتھ نکال دیں اور ہر کر دیں
تو بھی ہرگز ہرگز اس فرشتہ صفت فوج سے جدا نہیں
ہو سکتا، سو تدبیروں سے پھر ان کے خدام میں شامل ہو
جاؤں گا۔

بگینہ کے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم جو جہاد میں شریک تھے، بیان کرتے ہیں کہ بالا کوٹ میں مولوی محمد
سمعیل صاحب نے تید صاحب سے میدان جنگ میں جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس لڑائی
میں ہماری فتح نہیں ہے، آپ نہ جائیے، آپ کے جہاد لسانی سے انشاء اللہ تعالیٰ بندگانِ خدا کو بہت فائدہ پہنچے گا،
مولوی صاحب نے ہاتھ جوڑ کر فرمایا کہ حضرت یہ سرتصدق کرنے کو لایا ہوں، آپ مجھ کو اجازت ہی دیجئے، تید صاحب
خاموش ہو گئے اور مولانا میدان میں گئے، ایک گولی آپ کے انگوٹھا میں لگی، انگوٹھا کٹ گیا، آپ پھر تشریف لائے
تید صاحب نے پھر منع فرمایا مگر مولانا نے پھر اکلح وزاری سے اجازت مانگی اور تشریف لے گئے، مجھے یاد ہے کہ تین
مرتبہ تید صاحب نے روکا، آخر کو مولانا سمعیل صاحب کی پیشانی پر ایک زخم کاری لگا اور آپ شہید ہوئے لے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

جسد مبارک کو شناخت کر کے ندی کے ایک کنارے اپنے مولد اور اپنے اجدادِ کرام کے مدفن سے

سیکڑوں میل دور نہایت سادہ طریقہ پر سپردِ خاک کر دیا گیا۔

۱۰ ارمغانِ اجاب از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف "نزہۃ الخواطر" یہ کتاب دہلی اور اس کے اطراف

کے نام سے مکتبہ ندوۃ العلماء اور انجمن ترقی اردو دہلی کی طرف سے شائع ہوئی۔

لیکن شاہ صاحب کا تذکرہ میرے نزدیک اس وقت تک مکمل نہ ہو گا جب تک کہ اس سلوک کا ذکر نہ کیا جائے جو ان کی زندگی کو چھوڑ کر ان کی شہادت کے بعد ان کے ساتھ اس قوم نے کیا جس کی عزت و آبرو کے لیے انھوں نے اپنا سر کٹایا اور جس کے زندہ رہنے کے لیے وہ فر گئے۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ سے لے کر اس دن تک جس کو سو برس سے زائد ہوئے، شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی جس کی اور فضیلتیں بر طرف اس کی شہادت مسلم اور شہداء کی مغفرت مسلم، تکفیر و تضلیل میں کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت و سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو، علماء کی مجلس میں اس پر اتنی لعنت کی گئی جتنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر نبی امیہ کے دربار میں نہیں کی گئی، فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی گئی ہو، وہ ابو جہل و ابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں و گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا، اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لیے ایک چانس بھی نہیں چھپی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستے میں کبھی کوئی کاٹنا نہیں کڑا، جن کو خون چھوڑ کر کہہ سکا ان کے یہاں کیا ذکر، اسلام کی صحیح خدمت میں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی، اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لیے اس نے اپنا سر کٹایا، تو کیا اس کا یہی گناہ تھا او کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؛ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال عزت و آبرو محفوظ نہ تھی، سکھوں کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں، مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوٹے باندھے جاتے تھے، اس وقت یہ غیرت ایمانی و حمیت اسلامی والے جو ایک کلمہ کفر برداشت نہیں کر سکتے، کہاں تھے اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں۔

ممکن ہے کہ بعض قارئین کو ان الفاظ سے تکلیف ہو لیکن

رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

مولانا سید محمد علی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ علامہ معقول و منقول مولانا حیدر علی صاحب کے حقیقی چھوٹے بھائی، سید صاحب کے جلیل القدر خلیفہ، فاضل بے بدل اور مقبول و مشہور سالک و ہادی تھے۔

مقام سوات سے آپ کو اور مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کو سید صاحب نے ہدایت و اصلاح کے لیے جنوبی ہند بھیجا، ان کے حق میں دعا خیر فرمائی اور ان کی کامیابی کی امید ظاہر کی، راستہ میں وعظ و تبلیغ فرماتے ہوئے آپ حیدر آباد (دکن) پہنچے، حاسدوں اور بدخواہوں نے بزمان و ناکام کرنے کی بہت کوشش کی، حکام کو غلط اطلاعات پہنچائیں لیکن آپ کے پہنچنے پر نائب السلطنت نے آپ کا ایسا عظیم الشان استقبال کیا جو صرف نواب سکندر جاہ کا ہوا تھا اور ڈھائی سو روپیہ نذرانہ مقرر کیا، ہزار ہا آدمیوں نے بیعت کی، نواب ناصر الدولہ کے بھائی نواب مبارز الدولہ بھی مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی، بیعت سے نواب صاحب کی حالت بدل گئی، آپ کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں، آپ نے چار کے علاوہ باقی کو چھوڑ دیا۔

چلتے وقت آپ نے نواب منیر الملک سے ملاقات کی، ان کی مجلس میں دستور تھا کہ موت کا ذکر صریحاً نہیں ہوتا تھا بلکہ بطریق کنایہ و تعریض، مثلاً کسی کے مرنے کے متعلق کہتے کہ "بعلج ناموافق آیا" اور اگر رعایا یا ملازمین

میں سے کوئی مہر تو کہتے کہ فلاں شخص تصدق ہو گیا۔ لیکن آپ نے وہاں جا کر سکراتِ موت سے لے کر تاریکیِ قبرِ نزعِ فزعِ اکبر، عبورِ صراط، دخولِ جنت و نار کا ذکر اس طرح کیا کہ اگرچہ موت کا لفظ نہیں آنے پایا مگر عالمِ برزخ اور میدانِ حشر کی تصویر کھینچ گئی اور نواب صاحب کا رُومال آنسوؤں سے تر ہو گیا، نواب صاحب نے قیام کی درخواست کی، آپ نے عذر فرمایا اور مولانا ولایت علی صاحب کو مٹھرا کر خود مدراس روانہ ہو گئے۔

محرم ۱۲۴۵ھ میں آپ مدراس پہنچے اور مولوی عبدالعلی صاحب بحر العلوم کے صاحبزادہ مولوی عبدالرب صاحب کے مدرسہ میں فروکش ہوئے اور ترویجِ حق اور اشاعتِ توحید و سنت کا کام شروع کیا، چند دنوں میں شہر میں آپ کے وعظ کی دھوم مچ گئی اور ہزار ہا آدمی تائب اور آپ کی بیعت میں داخل ہونے لگے، نواب محمد خان عالم خاں بہادر، تھور جنگ مدراس کے ایک فضل رئیس تھے، وہ ایک روز دو سو آدمیوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تھوڑی گفتگو کے بعد آپ نے بیعت کر لی، نواب صاحب نہایت شوقین، رنگین مزاج، آزاد طبیعت رئیس تھے، موسیقی اور باجوں کا خاص ذوق تھا، ایک کمرہ صرف باجوں سے بھرا ہوا تھا، اور اس کے لیے ایک عملہ نوکر تھا بیعت ہونے کے بعد مولانا کے کچھ فرمائے بغیر تمام باجوں کو توڑ دیا اور تمام منہیات شرعی سے توبہ کی، مدراس کے شوقین رئیسوں کو اطلاع ہوئی تو ہزاروں روپیہ دے کر خریدنا چاہا، مگر آپ نے آنچہ بر خود نہ پسندی بردیگراں پسند کے مطابق ان کو کسی کے استعمال کے قابل نہ رکھا، بیعت کے بعد آپ کی کیفیت اور آپ کے گھر کا کارخانہ بدل گیا، بجائے شراب و موسیقی کے ہر وقت قرآن و حدیث کا مطالعہ اور وعظ و نصیحت کا مشغلہ تھا، گھر کے مرد، عورت، چھوٹے بڑے سب مولانا کے مرید ہو گئے تھے، صرف آپ کی والدہ باقی تھیں جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد سے تھیں، وہ بھی خواب میں حضرت شیخ کی ہدایت کے مطابق مولانا کی بیعت سے مشرف ہوئیں، آپ کی صاحبزادی ہو بیگم، نواب صاحب مدراس، نواب عظیم جاہ بہادر کے عقد میں تھیں اور والد کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں اور مرانہ استقامت رکھتی تھیں، نواب صاحب کی کوشش کے باوجود، ذرہ برابر بھی اپنے عقائد صحیحہ سے نہ ٹھہریں، نواب صاحب

نے طلاق کی دھمکی دی تو خان عالم خان صاحب نے فرمایا کہ آپ طلاق دے دیں گے تو میں آپ ہی کے صہیل کے مسلمان سائیس سے اس کا نکاح کر دوں گا، بہو بیگم نے نواب صاحب کو جواب دیا، اگرچہ میں آپ کی کینز اور آپ سے آقا ہیں لیکن خدا کے سامنے ہر ایک کو اپنا اپنا جواب دینا پڑے گا، اس لیے میں آپ کی وجہ سے اپنی آخرت براؤ نہیں کر سکتی۔

صوبہ مدراس میں اس وقت بڑی ظلمت و جہالت تھی، مسلمانوں میں گھر گھر مشرکانہ اعمال ہوتے تھے، مسلمانوں کی معاشرت ہندوؤں کے رنگ میں رنگ گئی تھی، گائے کا گوشت کھانا حرام ہو گیا تھا، مولانا کے قیام اور مؤثر مواعظ سے انقلاب عظیم ہو گیا، شراب بکنی بند ہو گئی، مدراس کے کلالوں نے حکومت میں عرضی پیش کی کہ سیندھی اور شراب کا تھر ٹیکس ہم نہیں ادا کر سکتے، اس شہر میں ہندوستان سے ایک عالم آیا ہے، اس نے تمام مسلمان خریداروں کو سیندھی اور شراب نوشی سے منع کر دیا ہے، اس لیے شراب اور سیندھی کا بچنا بند ہو گیا ہے، کلکٹر کے حکم سے پولیس نے اس کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ کلالوں کا استغاثہ صحیح ہے، کسبوں اور طوائفوں نے نواب صاحب کو ناک کی سرکار میں عرضی گزار دی کہ ہمارے روزگار میں اس نووارد سید کے وعظ و نصیحت سے بڑا دخل پڑ گیا ہے، کلر میں ہماری جس قدر باقیات ہیں وہ مرحمت ہو جائیں تاکہ روزمرہ کا خرچ چلے لے

بڑی کامیابی کے بعد بالاکوٹ کے حادثہ کی خبر سن کر مدراس میں اپنے بہت جانشین چھوڑ کر آپ وطن راپور تشریف لائے۔

چار برس کے بعد نواب عظیم جاہ بہادر کی والدہ کی درخواست پر دوبارہ مدراس تشریف لے گئے، بہت لوگوں نے فائدہ اٹھایا لیکن اس مرتبہ اہل بدعت و نفاق نے آپ کے خلاف قیامت برپا کر دی، حکام لو آپ کے خلاف کر دیا۔ بڑی شورش ہوئی، مولوی جمال الدین لکھنوی اس فتنہ کے قائد تھے، آپ کی تکفیر ہوئی، اتویہ الایمان جلائی گئی، مولوی خان عالم خاں کی تنخواہ نواب صاحب نے بند کر دی، آپ صبر و تحمل سے کام لیتے رہے، کمانڈر انچیف

نے ایک عرضی آپ کے دستخط کے لیے بھیجی، آپ نے اُس کو بھاڑ ڈالا، آخر کار پولیس کے جبر اور فتنہ سے بچنے کے لیے آپ کو مدراس چھوڑنا پڑا۔ اے

۱۲۵۲ھ میں آپ واپس ہوئے اور ۱۲۵۸ھ میں برابر اصلاح و ارشاد میں مشغول رہ کر انتقال فرمایا۔

آپ کا علم و فضل مسلم تھا، زبان میں نہایت تاثیر تھی، کشف بہت بڑھا ہوا تھا، صاحب مقامات و

کرامات تھے۔



مولانا ولایت علی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ مولوی فتح علی صاحب کے بیٹے اور رفیع الدین حسین خاں کے نواسے تھے جو صوبہ بہار کے ناظم و رئیس اور عمائد میں سے تھے، آپ نانا کے بڑے لاڈلے تھے، ہر وقت عمدہ ریشمی یا زریں لباس ڈھاکے کی جامدانی اور نئی زیب کا جوڑا آپ کے زیب تن رہتا تھا اور خوشبو و عطر سے معطر رہتے، انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور چھتے ہوتے، لکھنؤ میں تھے تو وہاں کے شوقین، خوش پوشاں اور رنگین مزاج نوجوانوں میں آپ کا شمار تھا، استاد کے ساتھ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریر سنی، اسی وقت حضرت مصعب بن عمیر کی طرح کیفیت بدل گئی اب وہ عظیم آباد و لکھنؤ کے بانک نوجوان نہ تھے، بلکہ سید صاحب کی جماعت کے ایک جفاکش مزدور اور معمولی خادم تھے۔

رائے بریلی میں مولانا اسماعیل صاحب شہید سے حدیث پڑھتے اور آپ کی جماعت میں نائب تھے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور سر پر لاد کر لاتے، اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتے، ہٹی گارے کا کام کرتے۔

۱۲۰۵ھ میں مسعوب مکہ کے ایک ناز پروردہ امیر زادے تھے، جس وقت چلتے بدن پر کئی سو روپیہ کی پوشاک ہوتی، سواری سے۔ آگے پیچھے غلام ہوتے، اسلام کے بعد مدینہ میں بدن پر ایک کبل ڈالے اسلام کی منادی کرتے پھرتے، شہید ہوئے تو اسی کبل میں دفن ہوئے ۱۲ (بخاری) ۱۲ دیکھو باب اول

ایک مرتبہ آپ کے والد نے آپ کے بچپن کے خدمتگار کو چار سو روپیہ نقد، دس بارہ جوڑے کپڑے اور دوسرے سامان کے ساتھ آپ کے پاس رائے بریلی بھیجا، اُس نے تکیہ پہنچ کر قافلہ میں آپ کو دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ دریا کے کنارے گارے مٹی کا کام کر رہے ہیں، وہ دریا کے کنارے پہنچا، وہاں بہت سے لوگ گارے مٹی کے کام میں لگے ہوئے تھے، اُن میں مولوی ولایت علی صاحب بھی ایک موٹا تہ بند رنگا ہوا باندھے ہوئے اور گارے میں تھڑکے ہوئے اپنا کام کر رہے تھے، آپ کی صورت ایسی بدل گئی تھی کہ اس پرانے خدمتگار نے آپ کو نہیں پہچانا اور خود آپ سے پوچھا کہ مولوی ولایت علی صاحب پٹنہ والے کہاں ہیں؟ آپ نے کہا کہ بھائی ولایت علی تو میرا ہی نام ہے! اُس نے بڑے غصہ سے کہا کہ میں تم کو نہیں پوچھتا، میں اُن ولایت علی کو پوچھتا ہوں جو مولوی فتح علی صاحب کے صاحبزادے اور رفیع الدین حسین خاں صاحب ناظم صوبہ بہار کے لاڈلے نواسہ ہیں، آپ نے کہا کہ صادق پوری ولایت علی تو میں ہی ہوں، اُس نے کہا کہ تم مجھ سے منہسی کرتے ہو، آپ نے فرمایا اچھا جاؤ قافلہ میں تلاش کرو، بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ اس کے یوسف گم گشتہ یہی ہیں، اس نے وہ سب چیزیں حوالہ کیں اور اُن کی پہلی حالت یاد کر کے بہت رویا، آپ نے وہ سب سامان سید صاحب کے قدموں پر ڈال دیا کہ قافلہ میں جس کو مستحق سمجھیں اور جس طرح چاہیں صرف کریں اور دوسرے دن پھر اسی حالت میں کام شروع کیا۔

سید صاحب کی جماعت میں آپ سے زیادہ مولانا اہل صاحب شہید سے کوئی مشابہ نہ تھا، آپ سید صاحب کے رنگ میں ایسے رنگے اور آپ کی محبت میں ایسے ڈوبے کہ اپنے سارے خاندان کو اپنے رنگ میں رنگ دیا، اور سید صاحب کا مخلص اور جانناز سچا نام لیوا بنا دیا، سید صاحب کے بعد آپ ہی نے سب سے زیادہ آپ کی نیابت و جانشینی کا حق ادا کیا، اور آپ کے خاندان نے سید صاحب کی محبت کی سب سے گراں قیمت اور سب سے بھاری تاوان ادا کیا، آپ کی ترغیب سے خاندان کے سب مرد و زن، خورد و کلاں سید صاحب سے بیعت ہو گئے تھے سید صاحب حج کو تشریف لے گئے تو آپ وطن میں دعوت و عزیمت کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر سید صاحب کے ہمراہ جہاد کے لیے تشریف لے گئے، سید صاحب نے آپ کو کابل سفارت پر بھیجا، ڈیڑھ مہینہ آپ کا قیام رہا اور روزانہ توحید و اتباع سنت کا وعظ اور جہاد کی ترغیب فرماتے رہے، سوات سے سید صاحب

نے آپ کو اور مولانا سید محمد علی صاحب کو تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے ہندوستان روانہ فرمایا، مولانا ولایت علی صاحب پر آپ کی جدائی اور میدانِ جہاد سے علیحدگی بہت شاق تھی، سید صاحب نے آپ سے فرمایا کہ مولانا اہم آپ کو تخم کر کے اٹھاتے ہیں، یعنی اس ایک تخم سے ہزاروں درخت پیدا ہوں گے، آپ وہاں سے بمبئی حیدرآباد (دکن) آئے، چند روز میں حیدرآباد کے گلی کوچہ میں آپ کا شہرہ ہو گیا۔ نواب مبارز الدولہ نے بیعت کی لاکھوں آدمی آپ کے وعظ سے توحید و سنت کے پابند ہو گئے، آپ کو اسی اثنا میں بالاکوٹ کے حادثہ کی اطلاع ہوئی۔

سید صاحب کی خبر شہادت سے سارا بار آپ پر پڑ گیا، ہندوستان میں سید صاحب کے خلفاء عظام میں اب صرف آپ کا اور مولانا محمد علی کا دم باقی تھا، تمام ہندوستان میں سید صاحب کے حلقوں میں آپ کی شہادت سے ایک انتشار و ہڑمردگی چھائی ہوئی تھی، مولانا محمد علی صاحب مدراس میں مشغول تھے، آپ نے بمطابق آیت وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ، سید صاحب کے کام کو سنبھالا، وطن پہنچ کر تبلیغ دین و تنظیم جماعت کا کام شروع کیا، لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی، بیت المال قائم ہوا، آپ نے شاہ محمد حسین صاحب کو جامع مسجد ننوتوہیہ کا امام اور چھپرہ، منظر لوہا، تربہٹ اور طرف پٹنہ کے تلقین و ہدایت کے لیے معین کیا، مولوی عنایت علی (برادر حقیقی) کو اہل بنگال کی ہدایت و ارشاد کے لیے روانہ کیا، مولوی زین العابدین اور محمد عباس حیدرآبادی کو خلعتِ خلافت عطا فرما کر اڑیسہ اور صوبہ الہ آباد وغیرہ کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا، شہر ٹنپہ میں نواب فخر الدولہ کی مسجد میں دوبارہ جمعہ قائم کیا، جہاں جمعہ کے بعد آپ کا وعظ ہوتا، اس کے علاوہ دوسرے اصحاب کو گاؤں اور قصبات کی اصلاح و ہدایت کے لیے مقرر کیا، مجموعوں اور سیلوں میں خود جا کر وعظ و تبلیغ کرتے، جلاہوں کو ان کے کارگاہوں میں جا کر اور کسانوں کو ان کے کھیتوں میں پہنچ کر اللہ کی اطاعت و بندگی کی ترغیب دیتے اور ان کی بدزبانیوں اور غصہ کو شربت کے گھونٹ کی طرح پیتے، گاؤں گاؤں، دیہادیتا خود دورہ کرتے اور اللہ رسول کا حکم پہنچاتے، اکثر آپ کو اپنے مرکز اور مقام پر پہنچنے میں مہینوں اور برسوں تک جاتے، مکان پر ظہر کی نماز کے بعد قرآن و حدیث کا درس دیتے، مولوی عبداللہ صاحب قاری ہوتے، دوسرے علماء تفسیر کے کرٹھیتے، علماء و مریدین کی بڑی جماعت شریک ہوتی، قرآن مجید اور بلوغ المرام کا غلطی سے ترجمہ ہوتا،

بچوں اور عورتوں کو پڑھاتے، آپ ہی کی کوششوں سے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ قرآن اور شاہ اسماعیل صاحب کے رسائل (جو آپ نے شاہ اسحق صاحب سے دہلی سے منگائے تھے) پہلی مرتبہ طبع و شائع ہوئے، اس کے ساتھ اصلاحِ باطنی اور تزکیہٴ نفس و تعلیمِ سلوک میں وقت صرف کرتے، عرض ایک مشین تھی جو ہدایت و اصلاح کا کام بہ وقت کرتی رہتی تھی۔

آپ میں صحابہ کرام کے سے اوصاف اور اہل اللہ کے کمالات تھے، رہائش نہایت سادہ تھی، نفس پر نہایت قابو تھا، آپ کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے سرد ہو جاتا اور دین کا جوش اٹھتا، چہرہ سے غربت و سکینی، خضوع و خشوع، حزن و ملال و فکر ظاہر ہوتا، رات کو اور کبھی دوپہر کو اکثر آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرتے رہتے، لباس اکثر موٹا اور پرانا ہوتا، کھانا بھی موٹا جھوٹا باسی، کھانا مساکین کے ساتھ کھاتے اور انہیں کے ساتھ رہتے، گھر والے بھی ویسے ہی سادہ زندگی گزارتے، اپنی کل آمدنی بیت المال میں داخل فرماتے اور ہدایا، مساکین اور مولفۃ القلوب پر صرف کرتے، لوگوں کو دنیا سے بے رغبتی اور انکساری کی تعلیم دیتے، امتیازِ نفس کو دور کرنے کے لیے مختلف عنوان سے عدا انکساری کرتے تاکہ شریفیوں سے فخر انساب، عالموں سے امتیاز، عابدوں سے اپنی عبادت پر مبھول اور بھروسہ، دولت مندوں سے کبر و نخوت، متحدوں سے شدت دور ہو اور ان میں بغیر حصہٴ نفس کے حق کی تلاش و جستجو ہو، وہ مسکینوں اور نیچوں سے محبت کریں، ناخواندوں کے عمل کی قدر کریں اور فساق و فجار کے اعمال بد سے ان کے دل میں ٹپس اٹھے اور انہیں ہم آغوش کر کے ان کے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے ان کے دل میں شکر و احسان پیدا کریں اور فردعی مسائل میں مخالفت کے عوض رواداری پیدا ہو، ہر کام میں خود پیش پیش ہوتے اور ہر موقع کے لحاظ سے مفلوظاتِ طیبہ فرماتے جو بجلی کی طرح لوگوں کے دلوں میں تیر جاتے، لوگوں کو دعا و عبادت خصوصاً تہجد کی ترغیب دیتے اور آپ کے صحبت یافتوں میں دعا اور تہجد کی بے حد پابندی تھی، آپ کے صحبت و تعلیم یافتہ نہایت با وضع تھے، ان کے دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا، آپ کی تربیت صاحب ایمان کو راہِ حق میں سرفروشی کیلئے بیاب و سرشار کر دیتی، آپ نے اپنے شیخ اور ان کے مخصوص خلفاء کی طرح بیسیوں مردہ سنتیں زندہ کیں، اپنے ہاتھ سے اپنے خاندان میں متعدد بیواؤں کا نکاح ثانی کیا، شادیوں اور تقریبوں میں رسوم کی اصلاح کی، جمعہ و جماعت

کی شان دو بالا کی، رمضان و تراویح کی رونق بڑھائی، دو برس کے بعد آپ راستہ میں وعظ و تبلیغ فرماتے ہوئے حج کو تشریف لے گئے، حج و زیارت کے بعد آپ مین تشریف لے گئے اور نجد و عسیر، مستقط، حضروت کی سیر کی اور قاضی محمد بن علی شوکانی سے حدیث کی سند لی۔

حج سے واپسی کے بعد مجاہدین کی طلب پر آپ نے اپنے بھائی مولوی عنایت علی صاحب کو گلاب سنگھ کے مقابلہ کے لیے سرحد بھیجا، کچھ عرصہ کے بعد خود تشریف لے گئے اور خود انتظام شروع کیا، گلاب سنگھ نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا اور ان کی حمایت حاصل کی اور انگریز افسروں نے مفتوح ملک میں غدر کر دیا اور آپ کے عمال و اہل لوہی قتل کر دیے گئے، رئیس بالا کوٹ جو مجاہدین کا معاون تھا اور جس کی درخواست پر آپ تشریف لے گئے تھے، بدل گیا آپ نے سوات جانا چاہا اور انگریز افسران سے ان کی عملداری سے گزرنے کی درخواست کی، انھوں نے منظور کی اور اقرار نامہ لکھ دیا لیکن جب دونوں بھائی مع لشکر مجاہدین کے انگریزی عملداری میں پہنچے تو فوج نے ان کا مذاکرہ کیا، انگریز کمانڈر نے اس عہد نامہ کو اس دلیل سے کالعدم کر دیا کہ ان افسروں کو ایسا عہد کرنے کا اختیار نہ تھا اور اس کی تعمیل ہم پر ضروری نہیں۔ افسروں نے بجائے سوات کے ان کو لاہور روانہ کر دیا۔

سر جان لارنس نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو اس پر آمادہ کیا کہ آپ وطن واپس جائیں اور تمام اسلحہ مع توپ خانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر دیں اور روہیلوں کو ان کا بقایا دے کر رخصت کر دیں، چنانچہ اسی طرح آپ پٹنہ واپس تشریف لائے۔ جب یہ حضرات پٹنہ پہنچے تو پہلے (حسب احکم، کمشنر کی کوٹھی پر تشریف لے گئے، کمشنر نے آپ کو اطلاع دی کہ گورنمنٹ کا حکم ہے کہ آپ دونوں آدمیوں سے دو دو سو روپیہ کے مچکے دو برس کے لیے لے لیے جائیں، آپ نے مچکے داخل کیے، اس روز تمام شہر آپ کی ملاقات کے لیے کمشنر کی کوٹھی پر ٹوٹ پڑا تھا، وہاں سے آپ مکان تشریف لائے اور بدستور سابق وعظ و نصح، تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی میں مشغول ہو گئے۔

حضرت کو ہندوستان واپس آنے کا بڑا رنج و ملال تھا، اکثر دوپہر کو اور راتوں کو آسمان کھینچے کھڑے ہو کر سجدے میں سر رکھ کر نہایت بقیاری اور اضطراب کے ساتھ اس ملک سے نکلنے کی دعائیں کیا کرتے

تھے اور کبھی یہ شعر اپنے حسبِ حال ترنم فرمانے سے

خدا کے واسطے اب کے نکالوست گلستاں سے

مرا دامن بندھے تو باندھ دو گل کے گریباں سے

جب پچلکھ کی سیعاد ختم ہونے میں چند مہینہ باقی رہے تو آپ نے اپنے دولت خانہ کو فرش فروش ہجھار فانوس، شیشہ و آلات سے بہت آراستہ پیراستہ کیا۔ صہبل میں عمدہ گھوڑے خرید کر باندھ دیے اور خوش رنگ کبوتروں سے کبوتر خانہ سجایا، دیکھنے والوں کو یقین ہوتا تھا کہ اب آپ دنیا میں خوب بھنس گئے، اب کبھی اس مکان اور آرائش کو چھوڑ کر نہ جائیں گے۔ لیکن جب سیعاد پوری ہو گئی تو آپ یک بیک ہاتھ ہجھار کرکھڑے ہو گئے اور اپنے چند مخلص اہباب کو ساتھ لے کر ہجرت کے ارادہ سے روانہ ہو گئے، لوگوں کو بعد کو خبر ہوئی تو بڑی تعداد میں آپ کے ہمراہ ہو گئے۔

راستہ میں ہدایت و ارشاد کرتے ہوئے ڈیڑھ برس کے عرصہ میں آپ دہلی پہنچے، ایک مہینہ قیام فرمایا۔ جمعہ کے دن کبھی جامع مسجد اور کبھی فتحپوری میں آپ کا وعظ ہوتا، لوگ دور دور سے آ کر شریک ہوتے بادشاہ (بہادر شاہ مرحوم) اور زینت محل کی طرف سے آپ کو دعوت کا پیام آیا، ان کے نہایت اصرار سے آپ لال قلعہ تشریف لے گئے، بادشاہ نے دیوان خاص میں اجلاس فرمایا اور تخت سے اتر کر لپ فرش تک استقبال و معانقہ و مصافحہ کیا، اور فرش پر اپنے پاس بٹھایا، ریڈیٹ اور دوسرے اُمرار موجود تھے، مولانا نے اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَ لَهٗوٌ وَ زِينَةٌ وَ تَفَاخُرٌ اَلٰیةٌ پَر وَعظ فرمایا اور دنیا کی بے حقیقتی اور بے ثباتی کا ایسا بیان کیا کہ ساعین کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہو گئی، وزیرِ عظم نے جھک کر آپ کے کان میں کہا کہ دوزخ و عذاب کا بیان بادشاہ کے سامنے مت کیجئے، بادشاہ کو تکلیف ہوگی، یہاں دستور ہے کہ جو علماء وعظ کہتے ہیں وہ صرف جنت کا بیان کرتے ہیں، مولانا نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور عذابِ قبر، ہنگامہ حشر اور دوزخ کا بیان اس صراحت کے ساتھ کیا کہ بادشاہ اور حاضرین مجلس زار زار رونے لگے، اثناء وعظ میں بادشاہ نے کہا کہ میں نے بھی کچھ اشعار ترکِ دنیا میں کہے ہیں، مولانا نے فرمایا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا، یہ بے ادبی ہے، بادشاہ چپ ہو گئے، بعد میں ان سے خود فرمائش کر کے شعر سُنے، بادشاہ نے ریڈیٹ سے کہا کہ آپ کو قلعہ کی سیر کرائیے

جب تک آپ کا وہلی میں قیام رہا، بادشاہ خاطر و تواضع کرتے رہے۔ اس عرصہ میں ہر طبقہ کے صد ہا لوگ سعیت و توبہ سے مشرف ہوئے، بادشاہ کی خواہش تھی کہ آپ رمضان قلعہ میں گزاریں اور تراویح میں سب لوگ شرکت کریں، لیکن ریڈیٹنٹ لوگوں سے روز پوچھتا کہ مولوی صاحب کا کام کیا ہے؟ کہاں سے تشریف لائے کہ ہر کو جاتے ہیں؟ اس لیے مولانا نے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور دہلی سے کوچ کر کے لدھیانہ ہوتے ہوئے ستھانہ پہنچ گئے، اس وقت مجاہدین کی یہ چھاؤنی ایک مدرسہ اور خانقاہ بن گئی۔

محرم ۱۲۶۹ھ میں آپ کو خناق کا مرض ہوا اور چونسٹھ برس کی عمر میں علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ مولانا علیہ الرحمۃ کا پورا خاندان صادق پوستانہ صاحب کے سچے معتقدوں اور اسلام کے سچے مجاہدوں کا خاندان تھا، جس کا بچہ بچہ سید صاحب کی محبت میں چور اور اسلام کے لیے سرکف تھا، ان لوگوں نے فردا فردا اور بحیثیت مجموعی سید صاحب کی وفاداری اور اسلام کی جانثاری کا ایسا حق ادا کیا جس کی نظیر کسی دوسرے خاندان میں نہیں ملتی، مولانا عنایت علی صاحب غازی، مولانا ولایت علی صاحب، مولانا احمد اللہ صاحب، مولانا یحییٰ علی صاحب، مولانا فرحت حسین صاحب میں سے ہر ایک اپنے وقت میں امام احمد بن حنبل کا نمونہ تھا اور اس آیت کا صحیح مصداق :

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا
أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ
ذَكَرَ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ
فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي
وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

پھر قبول کی ان کی دعا، ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے، مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک ہو پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی ان لوگوں نے اور نکالے گئے اپنے گھر و دیار سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور مارے گئے، البتہ دور کروں گا میں ان سے بُرائیاں ان کی اوڑھنا اور داخل کروں گا ان کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہیں، یہ بدلہ ہے اللہ کے یہاں سے اور اللہ کے

تَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ
حَسَنُ الثَّوَابِ (آل عمران)

یہاں ہے اچھا بدلہ۔

اس موقع پر ہم مولانا کچھی علی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ پیش کرتے ہیں، جو قوت ایمان و ہمتی کا
ایک نادر نمونہ ہے اور جس سے مولانا ولایت علیؑ کی تعلیم و تربیت کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔



مولانا یحییٰ علی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا یحییٰ علی صاحب پٹنہ میں ہندوستان کی جماعت مجاہدین کے امیر تھے اور سید صاحب کے رنگ میں سر تا پا غرق اور آپ کی محبت میں سرشار تھے، مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوری نے "ڈرامٹور" میں آپ کے جیل کے جو حالات لکھے ہیں ان سے آپ کی عظمت اور اس جماعت کی سیرت و اخلاق کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

"ہمارے حضرت مولانا کا صبر و استقلال اس وقت قابل دید تھا، شب کو آپ اور میں ایک ہی جگہ رہتے، آپ پچھلی شب حسب معمول نماز و دعا وغیرہ میں مشغول رہتے اور اکثر اشعار عاشقانہ دیوان شاہ نیاز و حافظ وغیرہ کے پڑھتے اور ایک نہایت وجدی کیفیت آپ پر طاری ہوتی، ہم لوگ سب ہوش باختہ ہوتے اور آپ نہایت مسرور و خوش، آپ کے چہرہ بشرہ سے کچھ بھی آثار رنج و محن کے پائے نہیں جاتے، ذکر اللہ سے رطب اللسان رہتے، آپ اکثر اس شعر کو بھی جو حضرت خبیب صحابی رضی اللہ عنہ لکھتے، مترنم ہوتے ۛ

فلسۃ ابالی حین اقتل مسلما علی ای شوق کان فی اللہ مصرعی

وذلك فی ذات الالہ وان یشاء یبارک علی اوصال شلو ممرع

میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ جن سے آپ کی کیفیتِ وجدی و صبر و شکر کا ایک بھی بیان کر سکوں اور اس کی تصویر کھینچ کر ہدیہِ ناظرین کرنا تو یہ ایک امرِ محال ہے۔

”چونکہ موسمِ نہایت گرم تھا، یہ ممکن نہ تھا کہ آدمی ایک ہفتہ سے زیادہ اس کوٹھری میں رہے اور پھر جانبر ہو لہذا ڈاکٹر نے حکم دیا کہ کوٹھری کا دروازہ کھلا رہے اور ایک پہرہ سپاہی کا خاص اس دروازہ پر مقرر ہو کہ یہ لوگ کوٹھری سے قدم باہر نہ لاسکیں، چنانچہ ہمارے حضرت اس قیدِ تنہائی میں پھر تخمیناً دو ڈھائی مہینے رہے اور نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان ایام کو آپ نے بسر کیا اور جب کوئی سپاہی پہرہ لایا اور کوئی سپاہی یا قیدی آپ کے سامنے آجاتا ہندو یا مسلمان، سب کو آپ توحیدِ باری کا وعظ سناتے اور عذابِ آخرت و قبر وغیرہ سے ڈراتے۔ الغرض ایک عجیب طرح کا فیض آپ کا اُس قیدِ تنہائی میں بھی جاری رہا، سپاہی جو پہرے کے واسطے آتا وہ سیکھتا یا گورکھا اور مسلمان نہ ہوتا، آپ اس آیتِ کریمہ کا وعظ سناتے۔ **ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرًا مِّنْ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ**، سپاہی کھڑا روتا اور جب اس کے پہرے کی بدلی ہوتی تو اس صحبت کو چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتا، میں کچھ لکھ نہیں سکتا کہ کس قدر فائدہ اُس وقت پہرے والوں کو پہنچا اور کتنے مؤحد ہو گئے اور کتنے دینِ آبائی کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ **لَا يَعْلَمُ الْاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ**، آپ کا فیض کبھی کسی حالت میں بند نہ ہوا آپ کا جسمِ مبارک قیدی تھا مگر آپ کے دل و زبان آزاد تھے، اس پر کسی کی حکومت نہ تھی۔ بجز اس حاکمِ حقیقی کے۔ اگر دو منٹ کے واسطے بھی کوئی آدمی سامنے آجاتا آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بجالاتے۔

بعد اس کے حکمِ پھانسی منسوخ ہوا اور حکمِ دوامِ حبس بعبورِ دریائے شور، مع ضبطی جاداد، ان تینوں پھانسی والوں کے واسطے بھی صادر ہوا اور یہ لوگ قیدیوں

میں بلا دیے گئے اور حسب دستور اس جیل کے جیسے ہم لوگوں کی ڈاڑھی منڈا دی گئی تھی، ویسا ہی آپ کی ڈاڑھی منڈا دی گئی اور ایک کڑا کڑمک گیر وارنگا ہوا اور ایک ٹوپی کان ڈھپی گیر وارنگی ہوئی پہنا دی گئی، یہ جو گیانہ لباس اُس جیل میں قانوناً ہر ایک کو دیا جاتا تھا، اُس کی صبح کو کپتان مانی صاحب مجسٹریٹ ڈپٹی کمشنر انبالہ وپار سن صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس جیل میں آئے اور داروغہ کو حکم دیا کہ مولانا سے سخت تر مشقت لی جاوے، چنانچہ خود اُس نے اپنے روبرو کھڑے ہو کر ایک بڑے کنویں پر جو رہٹ چل رہا تھا عین تمازت آفتاب میں اس رہٹ کو آٹھ دس قیدی چلا رہے تھے اور وہ بمشکل چلتا تھا، آپ کو بھی اُس میں دے دیا، آپ دو تین روز تک تمام روز اُس کو چلاتے رہے آپ کو باعثِ حرارت آفتاب خون کا پیشاب آنے لگا، آپ نہایت صبر و سحر سے اس کو انجام دیتے رہے، دوسرے قیدی جو نہایت قوی و توانا تھے، اس رہٹ کو کھینچتے کھینچتے بیٹھ جاتے مگر آپ صبح سے شام تک اس میں لگے ہی رہتے، چونکہ اس وقت ڈاکٹر صاحب موجود نہ تھے، مجسٹریٹ صاحب نے یہ کارروائی اپنے دل کا غصہ نکالنے کو کر لی، جب ڈاکٹر صاحب دو تین روز کے بعد جیل میں تشریف لائے اور نوآدم قیدیوں کا ملاحظہ کیا، جناب مولانا کو رہٹ کے کام میں دیکھ کر داروغہ پر نہایت خفا ہوئے کہ اس کو یہاں کیوں لگایا ہے، داروغہ نے عرض کیا کہ مجسٹریٹ صاحب جو تشریف لا کر لگائے ہیں، چونکہ ڈاکٹر کو مجسٹریٹ سے چشمک تھی، فی الفور آپ کو وہاں سے چھڑا کر برعکس اس کے نہایت آسان کام میں لگا دیا یعنی درمی بانی کے کارخانہ میں چھت کے نیچے درمی کا سوت کھولنے کا کام آپ کو دیا گیا، آپ حمد و ثنائے باری میں شب و روز مصروف رہتے اور کام مفوضہ سرکاری کو بھی باحسن و جود انجام کر دیتے، مثل اور قیدیوں کے تساہل و نکاہل کو کام میں نہ لاتے اور دوسرے قیدیوں کو بھی نصیحت فرماتے کہ جب

تم سرکاری کھانا کھاتے ہو اور کپڑے پہنتے ہو اور مکان میں رہتے ہو، تب ضرور ہے، کہ سرکاری کام انجام دو اور قیدی لوگ جو جیل کے اندر حکم عدولی اور بد معاشی وغیرہ کرتے اس سے ان کو روکتے اور نصیحت کرتے، صد ہا قیدی اس جیل میں ایسے نیک چلن ہو گئے کہ جس کو دیکھ کر داروغہ وغیرہ اہل کاران جیل حیران رہ جاتے۔

ہمارے حضرت نہایت باطمینان قلب، نہایت خنداں و شاداں فرماں بردار الہی ہیں اور لوگوں کو ہتھامت دلانے میں شب و روز مصروف رہتے، دُنیا ئے دلوں کی بے ثباتی اور اُس کے راحت و آرام کی بھیراری اور ثوابِ آخرت اور جنتِ نعیم کی پابندی یاد دلاتے اور رضوانُ من اللہ اکبر کو خوب کھول کر فرماتے، اس وقت کی کیفیت آپ کی قابل دید تھی، قلم کو جو ایک کاہِ خشک ہے کہاں وہ طاقت کہ جو اس کو بیان کر سکے، فقیر مولف بھی اس زلزلہ میں گرفتار تھا، آپ کے قدموں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بچایا کہ اغوائے شیطانی سے محفوظ رہ کر بیہودہ گوئی و سفوات بکنے سے رکا رہا اور مفاکِ ہلاک میں نہ گرا، فَلَئِنَّ الْحَمْدَ عَلٰی ذٰلِكَ۔ اگر آپ کا ساتھ نہ ہوتا تو ایسے مہالک سے بچنا متعسر بلکہ محال تھا، صبر و استقلال تو مجھ ایسے نالائق کو کہاں میسر ہے تو بہت بڑے لوگوں کا کام ہے، صرف اس قدر کہ زبان ناپاک باتوں سے بچی رہی، ہزار ہزار شکر اس قادرِ مطلق کا ہے اس وقت ایک اور امتحان اس نالائق پر خاص کر کے آیا کہ کمشنر صاحب و ڈپٹی کمشنر صاحب کی خواہش ہوئی کہ بندِ یحییٰ کترین مولوی عبداللہ ساکن افغانستان سے پیغامِ مصالحت کیا جائے کہ جن سے مقامِ انبیکہ وغیرہ سرکار سے جنگ ہوئی تھی اور وہ اس کمترین کے چچا زاد بھائی تھے، اسی حالت میں قیدیوں کی چالان آنبالہ سے لاہور جانے کو تیار کی گئی اس میں جناب حضرت مولانا ونشی محمد جعفر صاحب وغیرہ کل تیار کر لیے گئے مگر محمد شفیع و عبدالکریم والہی بخش جو بوجہ گواہی ہم لوگوں سے علیحدہ

کر لیے گئے تھے رکھ لیے گئے اور یہ فقیر بھی بوجہ کارروائی صلح روک لیا گیا اور نیز میں
تنفس سخت میں اس وقت مبتلا تھا کہ لیاقت سفر مطلق نہ تھی، اس وجہ سے بھی ڈاکٹر
نے مجھے روک لیا اور جناب حضرت مع چھ آدمیوں کے روانہ جیل لاہور کیے گئے، اب
اس وقت سے عرصہ دو سال تک میں صحبتِ کیمیا خاصیت سے اپنی بد اعمالیوں کے سبب
بہرور کر دیا گیا، اب جو کچھ میں بیان کروں گا، ان دو سالوں کی کیفیت، وہ سنی ہوئی
ہوگی۔

الغرض آپ انبالہ سے روانہ ہو کر مع دوسرے ستر پچتر قیدیوں کے جیل
لاہور میں پہنچے اور وہاں قریب ایک برس کے آپ کا قیام رہا اور اس اثنا میں بار قیدیوں
کو آپ پسند و نسلج کیا کرتے، چونکہ قید خانہ میں مجمع بدکاروں اور چور ڈاکو وغیرہ کارہا کرتا
ہے، آپ کا وعظ بھی انھیں افعالِ ذمیرہ کے بیان میں ہوتا اور توحید و تائیدِ صوم و
صلوٰۃ کی ہوتی، صدہا چور اور ڈاکوؤں نے توبہ کی کہ اب کبھی اس پیشہ کو نہ کریں گے،
آپ ان کو عذابِ دائم متقیم سے ڈراتے، صدہا سو خدا اور نمازی ہو گئے، ایک بلوچ ڈاکو
کا ماہر بیان کیا جاتا ہے، اس کا نام مرزی تھا، اس کے آبا و اجداد سے چوری اور ڈکیتی
کا پیشہ چلا آتا تھا، وہ نہایت قوی ہیکل جوان تھا، اس نے جیل خانہ میں آ کر بھی بہت
کچھ شرارت کی تھی، سرکاری کام ہرگز نہیں کرتا، صدہا بید اس کو لگائے گئے مگر اس نے
اُف نہیں کیا، اپنی بد چلنی سے باز نہیں آیا، بٹری اور ڈنڈا بٹری، ہتھکڑی اور طوق و
قید تنہائی وغیرہ جو کچھ سزاؤں ہے وہ سب اس پر عمل میں لایا گیا لیکن وہ باز نہ آیا،
دار و فروع بعد اس سے ڈرتے وہ ان کو بھی موقع پا کر ہتھکڑی سے پیٹ دیتا،
خدا کے حکم سے آپ کا بستر اور اس کا ایک ہی جگہ ہو گیا، خدا کی قدرت کہ آپ کی
نصیحت و پسند سے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی کیفیت بدل گئی، اس نے سرکاری

مشقت کرنی شروع کر دی اور ایسا نیک چلن بن گیا کہ داروغہ وغیرہ سب متحیر ہو گئے، ہتھکڑی اور طوق وغیرہ سب اُس سے دُور کر دیے گئے اور پارچہ بانی کے کارخانے میں وہ داخل کر دیا گیا کہ جہاں دائم کھس اور بڑے بڑے میعادہ قیدی کام کیا کرتے تھے اور عمدہ کام کرنے اور زیادہ کام کرنے پر سال میں دو ایک ماہ قید معاف بھی ملا کرتی ہے، اس نے وہاں جا کر بہت جلد پارچہ بانی کا کام سیکھ لیا اور نہایت عمدہ کپڑا بننے لگا، میں جب لاہور کے جیل میں گیا، خود میں نے اس مرزی بلوچ کو دیکھا کہ وہ پانچوں وقت نماز قید کے ساتھ پڑھتا اور اپنے گزشتہ اعمال کو یاد کر کے خوف خدا سے اکثر روتا، اے بھائیو! میں سچ کہتا ہوں کہ جب میں نے اُس کو دیکھا ایک ولی پایا۔ اس قسم کے اور بہت سے ماجرے ہیں، میں نے یہ ایک تمثیل بیان کیا، الغرض آپ کا وجود باوجود اُس قید خانہ میں واسطے ہدایت قیدیوں کے بھیج دیا گیا تھا کہ ہزاروں فیضیاء ہو گئے، اہلکارانِ جیل اس کرامت کو آپ کے دیکھ دیکھ کر نہایت متحیر و مستعجب ہوتے، تمام ہندو آپ کو دیتا اور اوتار کہتے اور مسلمان ولی سمجھتے، اتوار کا روز جو فرصت کا قیدیوں کا ہوتا، فجر کو بعد ملاحظہ ڈاکٹر آپ کے پاس مجمع ہو جاتا آپ حسب حال ان قیدیوں کے بدکاریوں سے بچنے کا اور نیک چلنی اور توجید الہی کا بیان فرماتے، بعد اس کے آپ مع دوسرے قیدیوں کے لاہور سے بسواری ریل روانہ ملتان ہوئے، وہاں ہفتہ عشرہ قیام کر کے بسواری مرکبِ دخانی روڑی بھکر سکھر جو ملک سندھ میں واقع ہے ہوتے ہوئے کوٹلی پہنچے اور وہاں سے بذریعہ ریل کراچی بندر اور وہاں ہفتہ عشرہ قیام کر کے بسواری مرکبِ دخانی براہِ سمندر بمبئی پہنچے اور وہاں سے بسواری ریل بمقام تھانہ (جو ایک شہر کا نام ہے) اور وہاں بہت بڑا قلعہ جو مرہٹوں کا بنایا ہوا ہے اور اب وہ جیل کا کام دیتا ہے، اُس میں بھیج دیے گئے، وہ نہایت سخت جیل ہے کہ دوسرے جیلی اس سے زیادہ پناہ

مانگتے ہیں، وہاں کے اہلکار جیلروغیر فست قلبی میں دوسرے جیلوں کے نسبت جہا
 زیادہ، تمام احاطہ مہنتی و پنجاب کے شریر ترین قیدی اُس جیل میں بھیج دیے جاتے ہیں
 آپ ہر جگہ اپنا کام کرتے رہے، چند مہینوں تک آپ کا قیام وہاں رہا، آپ کا فیض
 بدستور وہاں بھی جاری رہا، بعد اس کے آپ آٹھویں دسمبر ۱۸۶۵ء کو بسواری جہاز
 بادبانی مع دیگر قیدیوں کے روانہ پورٹ بلیر انڈمان ہوئے اور صعوبات و تکلیفات جہاز
 کو طے کر کے بتاریخ گیارہویں جنوری ۱۸۶۶ء آپ داخل جزیرہ انڈمان ہوئے، بعد
 اس کے جناب منشی محمد اکبر زماں صاحب نے جن کے اوصاف حمیدہ اور شریف پوری
 اوپر بیان ہو چکی ہے، آپ کو اپنے مکان میں لے جا کر رکھا اور باجائزت چیف کمنشنر صاحب
 اپنی تائید میں لے لیا، چونکہ جناب منشی صاحب کو کام بہت سپرد تھے، اکثر فرصت
 کے وقت میں آپ مکان پر بھی سرکاری کام کیا کرتے تھے لہذا جناب مولانا کو حاضری کچھری
 سے بچا کر اسی مد میں داخل کیا۔ اب دونوں حضرات یعنی جناب مولانا احمد اللہ و مولانا
 یحییٰ علی رحمۃ اللہ علیہما ایک ہی جگہ جمع ہو گئے اور میاں عبدالغفار صاحب کو بھی منشی
 صاحب ممدوح نے نمبر سازی سکھا کر ان کو بھی اپنے ہی مکان میں جگہ دی، بالکل یہ تینوں
 شخص ایک ہی مکان میں رہنے لگے، جناب مولانا کا کام یہ تھا کہ بعد فرصت از کار
 سرکار لوگوں کو قرآن و حدیث پڑھاتے، نصیحت کرتے، گھر گھر بھرتے، عورتوں کو نماز
 کی تعلیم کرتے، قرآن پڑھاتے، صد ہا مرد و عورت کہ جنہوں نے اپنے معبود حقیقی کے سامنے
 سر نہ جھکایا تھا، پتے نمازی بن گئے، اسی اثنا میں یہ کترین بھی بعد مہاجرت دو برس کے
 پورٹ بلیر پہنچ گیا اور تقریباً تین چار مہینے آپ کی حضوری خدمت سے پھر مشرف
 ہوا، دو برس آپ وہاں اپنی عمر عزیز کو یاد خدا و تعلیم و تلقین خلق اللہ میں صرف کر کے
 بتاریخ بیسیویں فروری ۱۸۶۸ء کو بسیک کہتے ہوئے داخل خلد برس ہوئے۔“

اہل صادق پور، فالذین ہاجروا وأخیر جوامین دیارہم و اؤذو فی سبیلی کے پوتے مصدق تھے، مقدمہ سازش میں حکومت نے ان کے مکانات مسکونہ تک سمار کر دیے اور صادق پور کا وہ محلہ جہاں محل کھڑے تھے کف دست میدان بنا کر اور مکانوں پر پل چلو کر لمبیدہ کی عمارت بنوا دی اور قدیم تعمیر کی ایک یادگار، اور ایک ایک نشان مٹا دیا، قبریں بھی مٹتے کہہ کر کھود کر پھینک دیں، حتیٰ کہ کھجور کا ایک درخت رہ گیا تھا جو اس چمن خزاں دیدہ کی یادگار تھا اس کو بھی اکھڑا دیا، مولانا کبھی علی صاحب علیہ الرحمہ کو جب ان کے مکان کے کھدنے کی اطلاع انڈمان میں ہوئی تو آپ نے اپنی اہلیہ کو ایک خط لکھا اس کا کچھ مضمون جو اس واقعے سے متعلق ہے نقل کیا جاتا ہے:

” ضروری لکھنا یہ ہے کہ خط سے نور چشم محمد حسن مد عمرہ کے حال انہدام دونوں مکانوں کا معلوم ہوا۔ البتہ دل کو قلق ہوا اور صدمہ بہت گزرا، کیونکہ مکان سکونت قدیم سے خصوصاً وہ مکان جس میں ذکر اللہ بہت ہوا اور کاروبار فرضیہ (فرضیہ) بہت اجرا پائے ہوں۔ مومنین کو ان سے محبت بطور اہل و عیال کے ہوتی ہے، اسی روز شب کو زیارت روح انور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرف ہوا، بتسم کناں فرمانے لگے کہ البتہ انہدام سے مکان کے مالکان مکان کو خصوصاً نسواں کو رنج و الم بہت ہوا ہے اور ہونے کی وجہ ہے اور ان آیات کریمہ کو زبان مبارک سے ارشاد فرمایا، وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَقَّفْنَا مُسْلِمِينَ۔ عَسَى رَبَّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ۔ اور فرمایا کہ ان آیات کریمہ کو در زبان رکھو۔ عبادت خانے اور مسجد قصی اور مکانات انبیاء بخت نصر اور جالوت کے ہاتھ سے انہدام پائے تھے، آخر منہدم کرنے والے نسیا منیا ہوئے اور یہ اماکن متبرکہ از سر نو بنا ہوئے اور پھلے سے زیادہ آباد ہوئے۔ تم بھی اپنے رب کے فضل سے ایسا ہی امید رکھو، عنقریب یہ

بشارتیں ہونے والی ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دشمنانِ خدا ان کے دوستوں کو اچھی طرح
تسلیں۔ بعد اس کے اس کا اچھی طرح بدلہ پاویں (دشمنانِ خدا منافقین ہیں وہ حکام سے
جھوٹی جھوٹی باتیں مسلمانوں کے حق میں لگا کے ان کو ایذا دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ کا بہت شکر
کر و کہ تم ایسے امتحانوں کے لائق ٹھہرے، بعد اس کے فرما کہ اس مکاشفہ کو بعینہ اُقم یوسف
کے پاس لکھ بھیجو کہ سب نسوان و مالکانِ مکان کو سنا دے اور رجال مالکانِ مکان بھی اس
کو دیکھیں اور غفلت کو کانوں سے نکالیں۔ اس کے بعد دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کی، اور
تشریف لے گئے :-



اہل صادق پور کی جدوجہد اور تنظیم جماعت

مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیم

سید صاحب کی شہادت کے بعد جماعت کے باقی ماندہ لوگ ستھانہ چلے گئے تھے، جہاں انھوں نے اپنا مرکز قائم کر لیا۔ ہندوستان میں اس عظیم الشان تحریک جہاد، اصلاح و تنظیم کا مرکز عظیم آباد پٹنہ اور اس کا محلہ صادق پور تھا، سید صاحب نے میدان جنگ سے دو بزرگوں مولانا سید محمد علی صاحب رامپوری اور مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کو تبلیغ و اصلاح کے لیے ہندوستان روانہ کیا تھا، مولانا ولایت علی صاحب ۱۲۴۶ھ میں حیدرآباد میں تھے کہ بلاکوٹ کے حادثہ کی اطلاع ہوئی، سید صاحب کے خلفہ عظام میں اب صرف آپ کا اور مولانا محمد علی صاحب کا نام باقی تھا، مولانا محمد علی صاحب مداس میں تھے اور سارا بار آپ پر تھا، آپ نے پٹنہ آکر کام اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی بیجا نفسی روحانیت، تنظیمی قابلیت اور جدوجہد سے پڑمردہ جسموں اور مردہ دلوں میں رُوح پھونک دی، لوگوں سے ازسرنو بیعت لی، بیت المال قائم کیا، مرکزی مساجد میں خطیب اور واعظ مقرر کیے، بنگال اور دوسرے صوبجات واقطاع میں اپنے مبلغ بھیجے، قصبات و دیہات کی اصلاح و ہدایت کے لیے لوگ مقرر کیے، مجموعوں اور سیلوں میں وعظ شروع کیا، گاؤں گاؤں دیہات و دیہات دورہ کیا، اکثر آپ کو اپنے مرکز و مقام میں پہنچنے میں مہینوں اور برسوں لگ جاتے، درس، تزکیہ، اصلاح و تربیت کے مشاغل سفر و حضر میں جاری رہتے، آپ کا مکان اور پورا محلہ ایک معمور درگاہ

ایک آباد خانقاہ اور ایک منظم تربیت گاہ تھی، اس تمام مدت میں اس مرکز کا تعلق سرحد کے مرکز سے قائم رہا۔ اور وقتاً فوقتاً آپ کے اعزہ و تلامذہ وہاں کے کاموں میں شریک ہوتے رہے۔ دو مرتبہ آپ خود تشریف لے گئے اور ۱۲۶۹ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔

آپ کے بعد اور آپ کی زندگی میں آپ کے جانشین واعزہ مولانا فرحت حسین صاحب، مولانا احمد صاحب اور مولانا یحییٰ علی صاحب نے پورے انہماک اور قابلیت سے یہ خدمات انجام دیں اور ایک منظم سلطنت کی طرح اس نظام کو چلایا، یہ نظام اپنی وسعت و استقامت مبلغین کی سیرت و اخلاق اور جوش و ایثار میں ایک بے نظیر نظام تھا جس کی مثال مسلمانوں کے داخلہ ہند سے لے کر اس وقت تک ہم کو ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی اس کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگا۔

اس جماعت و تحریک کا سب سے بڑا دشمن ڈاکٹر سر وکیم ہنٹر اپنی کتاب مسلمانان ہند میں لکھتا ہے: "یہ لوگ مشنریوں کی طرح انتھک کام کرتے تھے۔ وہ بے لوث و بے نفس لوگ تھے جن کا طریق زندگی ہر شبہ سے بالاتر تھا اور روپیہ اور آدمی پہنچانے کی انتہائی قابلیت رکھتے تھے، ان کا کام محض تزکیہ نفس اور اصلاح مذہب تھا۔"

میرے لیے ناممکن ہے کہ میں عزت و عظمت کے بغیر ان کا ذکر کروں، ان میں سے اکثر نہایت مقدس و مستعد نوجوانوں کی طرح زندگی شروع کرتے تھے اور ان میں سے بہت سے اخیر تک مذہب کے لیے اپنی جانفشانی اور جوش قائم رکھتے۔ جہاں تک مجھے تجربہ ہے یہ یقینی ہے کہ وہابی مبلغین سب سے بڑے روحانی اور کم سے کم خود غرض نوع کے لوگ ہیں۔

مولانا یحییٰ علی صاحب عظیم آبادی کے متعلق لکھتا ہے:

"امیر جماعت یحییٰ علی کے مختلف فرائض تھے وہ ہندوستان میں فرقہ کے روحانی رہنما کی حیثیت سے تمام جماعتی مبلغین سے خط و کتابت رکھتے تھے اور انہوں نے

ایک اصطلاحی زبان میں چند مبہم عبارتیں ترتیب دی تھیں جن کو وہ خود استعمال کرتے تھے اور جن کے ذریعہ وہ اطمینان سے بڑی بڑی رقیس سلطنت کے مرکز سے سرحد پار باغیوں کے کیمپ (ستھانہ) بھیجتے تھے، وہ مسجدوں میں وعظ و تقریر کرتے اور مذہبی دیوانوں کی فوج کو بندوقیں جانچ کر بھیجتے، طلباء کو روحانی اور دینی درس و تعلیم دیتے اور انھوں نے اپنے ذاتی مطالعہ سے عربی کے علماء و مصنفین سے اعلیٰ واقفیت پیدا کر لی تھی۔

لیکن اس سازش کا سب سے بڑا نازک کام ٹپنہ یا بالغانہ خود چھوٹی خانقاہ سے سرحد پار باغیوں کے مرکز بڑی خانقاہ کو زنگر وٹ مہینہ تھا، بنگالی قبضے میں کوراہ سے صد ہا بے تکے اور پریشان کن سوالات کا جواب دینا پڑتا تھا، اس کو پنجاب اور شمال مغربی ہندوستان کے وسیع صوبوں میں سے ہو کر تقریباً دو ہزار میل سفر طے کرنا ہوتا تھا، جہاں ہر گاؤں میں اس کی جسمانی شکل اور زبان اس کو اجنبی ثابت کرتی تھی، اس خطرناک کام میں یہی علی ہی کی ذہانت اور انتظامی قابلیت کام کر رہی تھی، انھوں نے تمام راستہ پر اپنے وہابی پیروستعین کر دیے تھے جو جماعت کے معتبر اشخاص کے ماتحت تھے، یہی علی کی مردم شناسی اور حسن انتخاب قابل داد ہے کہ ان کے انتخاب کیے ہوئے آدمیوں میں سے ایک شخص کو بھی پٹھے جانے کا خوف و خطرہ، شناخت ہو جانا، انعام کا لالچ اپنے زہاؤں اور پیشواؤں کے خلاف آمادہ نہ کر سکا۔

اس تنظیم کی وسعت اور جماعت کی سیرت کے متعلق بنگال کے کشنر پولیس کی یہ شہادت پڑھنی چاہیے۔

اس جماعت کے ایک ایک مبلغ کے پیرواشی اسٹی ہزار ہیں جن میں آپس میں مکمل مساوات ہے، جن میں ہر ایک دوسرے کے کام کو اپنا ذاتی کام سمجھتا ہے اور مصیبت کے وقت کسی بھائی کی مدد میں اس کو کسی بات سے عذر نہیں ہوتا۔ لے

”مشرقی بنگال میں ہر ضلع بغاوت کے رنگ میں رنگ گیا تھا اور پٹنہ سے سمند تک گنگا کے تمام راستے میں مسلمان کسان باغیوں کے مرکز کے لیے ہفتہ وار آمد دیتے تھے“
اس تحریک و تبلیغ سے عام مسلمانوں میں جہاد کا جو جذبہ اور ولولہ پیدا ہو گیا تھا اس کی مثال کم سے کم ہندوستان میں اس سے پہلے اور اس کے بعد نہیں ملتی، ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے :

”صوبہ متحدہ کے ایک انگریز کارخانہ دار نیل کا بیان ہے کہ دیندار مسلمان ملازم اپنی تنخواہ یا مزدوری کا ایک جز ستھانہ کیمپ کے لیے علیحدہ کر کے رکھ لیتے تھے، جو لوگ زیادہ جہی تھے وہ تھوڑے بہت زمانہ کے لیے ستھانہ جا کر خدمت کرتے تھے، جس طرح ہندو ملازم اپنے بزرگوں (پرکھوں) کے شرادہ کے لیے ٹھٹھی مانگتے تھے۔ اسی طرح مسلمان ملازم یہ کہہ کر چند ماہ کی رخصت لیتے تھے کہ انھیں فریضہ جہاد ادا کرنے کے لیے مجاہدین کے ساتھ شریک ہونا ہے“

”کوئی وہابی باپ اپنے کسی غیر معمولی دیندار بیٹے کے متعلق نہیں کہہ سکتا تھا، کہ وہ کس وقت (جہاد کے لیے) اس کے گھر سے غائب ہو جائے۔“

مشترجیس اوکینلی لکھتا ہے :

”کنزور و بزدل بنگالی مسلمان، خونخواری اور جوش جہاد میں افغانوں سے کم نہ تھے۔“
جماعت کے نظام کا حال مندرجہ ذیل قتباس سے معلوم ہوگا، ڈاکٹر ہنٹر اس جماعت کے ایک رکن کے متعلق لکھتا ہے :

”اس کا تحصیل عشر و زکوٰۃ کا طریقہ بہت سادہ اور سہل تھا، اس نے مالگوزاری کی حیثیت سے متعدد گاؤں مجموعوں میں تقسیم کر دیئے تھے، ہر مجموعہ پر ایک خاص محفل مقرر تھا، یہ افسر اپنی جگہ پر ہر دیہات کے لیے ایک تحصیلدار مقرر کرتا تھا، آئی ہوئی رقموں کو وہ جاچتا اور ضلع کے مرکز کو بھیج دیتا۔ قانوناً ہر دیہات میں ایک محفل مقرر تھا لیکن

جن دیہاتوں میں آبادی زیادہ تھی وہاں اس کام کے لیے ایک عملہ رکھنا پڑتا تھا جن میں کچھ دین کے سردار ہوتے تھے جو نماز پڑھاتے تھے اور چندہ وصول کرتے تھے، کچھ عام منتظم "دنیا کے سردار ہوتے تھے جو جماعت کے دنیاوی امور کا انتظام کرتے تھے اور ایک فسہر جو خطرناک خطوط اور بغاوت کے پیغامات پہنچاتا تھا۔"

حکومتِ برطانیہ کی مخالفت

گزشتہ ابواب سے واضح ہو چکا ہے کہ سید صاحب کی تحریک ایک مستقل جہاد و صلح کی تحریک تھی، ناگزیر حالات کی بنا پر اس کا رخ ابتدا میں سکھوں کی طرف تھا لیکن اس کے مکمل پروگرام کا علم جماعت کے مخصوص لوگوں کو تھا جو اسلامی غیرت و فراست ایک صوبہ میں غیر اسلامی اقتدار کو ارا نہ کر سکی، وہ اس کو پورے ملک میں کس طرح لوارا کر سکتی تھی لیکن ہر صاحب بصیرت کہے گا کہ واقعات و اقدامات کی یہی طبعی اور مناسب ترتیب تھی، جو ظہور میں آئی۔

کیپٹن کننگھم تاریخ ہند میں لکھتا ہے :

"سید احمد صاحب کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کافروں سے مراد صرف سکھ تھے لیکن ان کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے، وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں ضرور محتاط تھے لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر ایک دور دراز کی قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کے لیے کافی سبب تھا۔"

انگریزوں نے جب پنجاب فتح کیا تو مجاہدین کا رخ ان کی طرف پھر گیا، مولانا ولایت علی صاحب اور ان کی جماعت نے حالات کے تغیر اور خطرہ کا احساس کیا اور شروع سے اپنے دائرہ عمل کو وسیع رکھا۔

ہنٹر لکھتا ہے :

"مجاہدین کی ضرب سکھوں کے دیہاتوں پر شدید تھی، لیکن وہ انگریز کافروں پر

ضرب لگانے کے ہر موقع کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کرتے تھے، انھوں نے کابل کی جنگ میں ہمارے دشمنوں کی مدد کے لیے ایک بڑی قوت بھیجی اور ان میں سے ہزار ایک ہمارے مقابلہ میں موت تک جھے رہے، صرف غزنی کے سقوط میں ان کے تین سو آدمیوں نے انگریزی سگینوں سے شہادت کی خوشی حاصل کی:

” پنجاب کے الحاق کے بعد جو عقدہ پہلے سکتھوں پر اترتا تھا، اب ان کے نشانیوں

(انگریزوں) پر اترنے لگا:

ہندوستانی مجاہدین کے متعلق منہ بٹ لکھتا ہے:

” ان کی تبلیغ تھی کہ غیر اسلامی اقتدار کے ماتحت مسلمانوں کی زندگی گزارنے کی

شرعاً اجازت نہیں، جہاں غیر مسلم کی حکومت ہو وہاں صرف دو صورتیں ہیں، اگر قدرت ہو تو جہاد ورنہ ہجرت، اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔“

ڈاکٹر ہنٹر کا بیان ہے (جس سے اس کی ساری کتاب رنگی ہوئی ہے) کہ جماعت کے مبلغین اور پٹنہ

کے پیشوا حکومت ہند کے خلاف علانیہ تبلیغ جہاد کرتے تھے۔

حکومت ہند کے انتظامات

ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے:

” ۱۸۴۷ء میں سر مہری لانس نے یہ کارروائی قلبند کی کہ مولانا ولایت علی اور

عنایت علی پنجاب میں غازی دین اور مجاہد اسلام کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کو اپنے

مکانوں میں نظر بند رکھا جائے، پٹنہ کے محسٹریٹ نے ان سے ضمانت لی اور جماعت کے

دوسرے بہت سے دولتدار کان سے بھی نیک چلنی کے پھلکے لیے۔

لیکن ۱۸۵۰ء میں ان کو جنوبی بنگال کے ضلع راج شاہی میں بغاوت کی تبلیغ کرتے ہوئے پایا جاتا

ہے، جہاں اُن سے حفظ امن کی ضمانتیں لی گئیں اور دوبارہ تبلیغ کرنے کی وجہ سے اُن کا دو مرتبہ ضلع سے اخراج ہوا۔
۱۸۵۱ء میں سید صاحب کے یہی خلفا جو اپنے شہر میں نظر بند تھے۔ سرحد پر بغاوت پھیلانے کی تبلیغ کرتے ہوئے
ٹپنہ میں پائے گئے۔ ۱۸۵۲ء میں اُن کو اپنی تجویز میں بہت کچھ کامیابی ہوئی، آدمی اور روپیہ ستھانہ کیمپ کثرت
سے بھیجے گئے اور پنجاب کے حکام نے ہماری فوجوں سے اُن کی ایک باغیانہ خط و کتابت پکڑی، ان کے پیشواؤں نے
ہماری چوتھی فوج سے ساز باز کرنے کی بڑی مشاقتی سے کوشش کی جو راولپنڈی میں باغیوں کے کیمپ سے بہت
قریب ٹھہری ہوئی تھی اور اس رہنمائی کا جز تھی جو ہمارے صوبہ پر حملہ کرنے کی وجہ سے اُن کے خلاف کارروائی کرنے
کے لیے بھیجی گئی تھی۔ خطوط سے ثابت ہوتا تھا کہ بنگال سے باغیوں کے کیمپ کو آدمی اور اسلحہ بھیجنے کے لیے ایک باقاعدہ
ادارہ قائم ہے، اسی زمانہ ۱۹، اگست ۱۸۵۲ء میں ٹپنہ کے محبٹرٹ نے رپورٹ کی کہ باغی جماعت اور باغیانہ خیالات
ترقی پر نہیں۔ انگریزی صوبہ کے اس دارالسلطنت (ٹپنہ) کے خاص باشندے علانیہ بغاوت کی تبلیغ کرتے ہیں پولیس
بھی اُن سے ملی ہوئی ہے اور اُن کے ایک سردار (مولوی احمد اللہ صاحب) نے اپنے مکان میں سات سو آدمیوں
کے ایک جلسہ میں اعلان کیا کہ اگر محبٹرٹ کی طرف سے مزید تلاش ہوئی تو وہ ہتھیاروں سے مقابلہ کریں گے۔
حکومتِ برطانیہ اب زیادہ دنوں تک اپنے علاقہ میں ایک باغیانہ ادارہ کی طرف سے چشم پوشی نہیں کر
سکتی تھی، ۱۸۵۲ء کی فصل خزاں میں لارڈ ڈلہوزی نے دو اہم کارروائیاں قلبندہ کیں، انھوں نے اندرونی ادارہ کی
پوری نگرانی اور اُن سرحدی قبائل کے خلاف مہم بھیجنے کی ہدایت کی جن کی کافروں کے ساتھ وہی نفرت کو ہندوستانی
مجنونوں نے ہوادے کر شعل کر دیا تھا، اسی سال انھوں نے ہمارے حلیف امب کے رئیس پر حملہ کیا اور ہم کو ایک
برطانوی فوج اس کی امداد کے لیے بھیجی تھی، ۱۸۵۳ء میں ہمارے متعدد ویسی سپاہی باغیوں سے خط و کتابت
کرنے کے جرم میں ماخوذ ہوئے۔

حکومت کے جارحانہ اقدام اور ۱۸۶۰ء کی سرحدی جنگیں

۱۸۵۰ء اور ۱۸۵۴ء کے درمیان سرحدی خلفشار کی وجہ سے ہم کو اپنی اپنی علیحدہ سولہ مہینیں

بھینچی ٹریس میں تینتیس ہزار باقاعدہ سپاہی تھے اور ۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۳ء کے درمیان علیحدہ علیحدہ مہموں کی تعداد بیس کو پہنچ گئی، جن میں بے قاعدہ مددگاروں اور پولیس کے علاوہ ساٹھ ہزار باقاعدہ سپاہی تھے، اس دوران سٹھانہ کیمپ دائمی تعصب اور مذہبی اشتعال کے باوجود عاقلانہ طریقہ پر ہماری فوجوں سے براہ راست اُلجھنے سے مجتنب رہا، وہ ہوشیاری کے ساتھ ہمارے خلاف قبائل کی امداد کرتا رہا اور ان کو اشتعال دلاتا رہا لیکن ان لوگوں کو اپنا نقصان برداشت کرتے ہوئے ہم سے جنگ کرنے کی جرأت نہ ہوئی، ۱۸۵۶ء میں انھوں نے علانیہ ہم سے جنگ چھڑی اور اپنی دیدہ دلیری سے ہم سے جزیہ کا مطالبہ کیا، مطالبہ نامنظور ہونے کے بعد وہ ولایت ہمارے علاقہ پر اتر آئے اور انھوں نے لفٹننٹ ہارن کے کیمپ پر ایک ششجوں مارا۔

۱۸ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو ایک برطانوی فوج سات ہزار سپاہیوں کی سرنیل چیمبرلین کی قیادت میں سرحد کو روانہ ہوئی، علاقہ میں پہنچ کر جنرل کو معلوم ہوا کہ قبائل حریف سے مل گئے ہیں حکومت پنجاب کے نام پریشانی میں تار پتار آرہے تھے کہ امداد اور مزید امداد فوراً بھیجی جائے، فیروز پور، سیالکوٹ اور لاہور کے دستے فوراً روانہ کیے گئے۔ دو ہفتہ کے اندر اندر پنجاب کی سچا و نیاں اس طرح فوجوں سے خالی ہو گئیں کہ میانیر کا افسر کمانڈنگ بڑی شکل سے لفٹننٹ گورنر کے لیے چوبیس آدمیوں کا محافظ دستہ ہم پہنچا سکا۔ ۴ نومبر کو حکومت پنجاب کو ہراول کا ایک دستہ وائسرائے کے کیمپ سے مستعار لینا پڑا، اور ایک دوسری بٹھری پولیس سوار اور پیادہ سولہ (رسل و رسائل) کی حفاظت کے لیے بھیجے گئے۔ ۱۴ نومبر کو حالات اور زیادہ نازک ہو گئے اور کمانڈر چیف آف برٹش فورسز لاہور آئے اور خود انتظام اپنے ہاتھ میں لیا، حکومت پنجاب نے پندرہ سو کا ایڈیشنل بریگیڈ بھیجے جانے کی درخواست کی، جنرل چیمبرلین کے تار نے اور ڈرا دیا۔ ۱۸ نومبر کو دشمن نے حملہ کیا، انگریزی فوج کو سپاہ ہونا پڑا۔ ایک سو چودہ آدمی ہلاک ہوئے اور دوسری مرتبہ پھر دشمن نے حملہ کیا، جس میں جنرل چیمبرلین خطرناک طور پر زخمی ہوئے اور افسروں کے علاوہ ایک سواٹھائیس آدمی ہلاک ہوئے اور ۲۰ نومبر کو چار سو پچیس بیمار اور زخمی بھیجے گئے، کل آٹھ سو سینتالیس انگریزی سپاہی زخمی اور ہلاک ہوئے۔ آخر کار حکومت پنجاب اپنی فوجوں کو واپس بلالینے پر راضی ہو گئی۔ لیکن یہاں بھی وہی تدبیر کارگر ہوئی جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کم خطا جاتی ہے انگریز حکام اور مدیروں

نے قبائل کو توڑ لیا اور مجاہدین تنہا رہ گئے، ڈاکٹر منہٹر نے اس موقع پر یہ فخریہ الفاظ لکھے ہیں :

”جو کام ہمارے ہتھیار نہ کر سکے وہ ہماری ڈپلومیسی نے کر لیا۔“

لیکن بہر حال یہ تجربہ بہت تلخ ثابت ہوا اور بقول ڈاکٹر منہٹر ”یہ مقابلہ ہم کو بہت گراں پڑا“

۱۸۶۸ء میں پھر پھڑپھڑ شروع ہوئی۔ ۸ دسمبر کو حکومت ہند نے

اس کے مقابلہ کے لیے فوجی قوت بھیجی، ۳۰ اکتوبر کو کمانڈر انچیف کے زیر ہدایت او

جنرل وائلڈ سی۔ بی کے زیر قیادت فوجیں روانہ ہوئیں، جولائی میں پنجاب گورنمنٹ

نے ارجنٹ مار بھیجا کہ طوفان کھڑا ہو گیا اور خطرہ سر پہ ہے، فوری امداد کی سخت ضرورت

ہے، سرحد پر فوجیں دو چند کر دی گئیں لیکن متوقع خطرہ پیش نہ آیا مگر انگریزی فوجیں

مخالف کے قلب تک نہ پہنچ سکیں اور پنجاب گورنمنٹ کو افسوس رہا کہ یہ مہم ختم ہو

گئی اور ہندوستان کے مذہبی مجنون نہ تو نکالے جاسکے اور نہ ہم انھیں مطیع کر کے

ان کے گھروں کو ہندوستان واپس کر سکے۔“

مقدمہ سازش ۱۸۶۳ء

حکومت کو اپنی متعدد شکستوں، زیر باری اور بدنامی سے سخت بھنجھلاہٹ تھی، اس نے اپنا غم

ہندوستان کے اُن رؤسا و شرفا پر اتارا جن کا کچھ تعلق سرحد کے مرکز یا اس تحریک سے ثابت ہوا اور ان سے

انعام کے جوش میں قانون بالائے طاق رکھ دیا، ۱۸۶۳ء میں اُس نے آٹھ آدمیوں مولوی محمد جعفر صاحب

تھانیسری رئیس تھانیسری، مولانا یحییٰ علی صاحب عظیم آبادی، مولانا عبدالرحیم صاحب عظیم آبادی، محمد شفیع سوگر

ورئیس لاہور ان کے بعض کارندوں قاضی میاں جان اور بعد میں مولانا احمد اللہ صاحب رئیس ٹنہ عظیم آباد پر

سازش کا مقدمہ چلایا اور ان کو پھانسی کی سزا دی، پھر ایک عجیب و غریب نکتہ سے پھانسی کی سزا منسوخ کر کے

جس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی، کتاب تواریخ عجیب یا کالا پانی کے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں، جن سے حکومت کا غصہ اور ان حضرات کی انتقامت معلوم ہوگی۔

”پارسن صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر خوشی خوشی بسواری مشکرم دہلی کو روانہ ہوا، شکرم میں سوار کرنے سے پہلے مجھ کو بٹری، ہتھکڑی، طوق پہنا کر اور طوق میں بطور باک ایک زنجیر ڈال کر اور اس کا سر ایک مسلح سپاہی پولیس کے ہاتھوں میں دے کر اس کو میرے پیچھے بٹھایا اور پارسن صاحب اور ایک دوسرا انسپکٹر پولیس دہنے بائیں بھرے ہوئے طنپوں کی جوڑیاں لے کر میرے بدن سے بدن بلا کر بیٹھ گئے۔ اس کے سوا پارسن صاحب بار بار مجھ کو راہ میں کہتا ہوا آتا تھا کہ اگر تم ذرا بھی حرکت کرو گے تو میں طنپے سے تم کو مار دوں گا، جلی گڑھ سے چل کر دہلی تک کھانا پینا تو درکنار کسی سخت ضروری حاجت کے واسطے بھی ہم نہ اتارے گئے، جب نماز کا وقت آتا تھا تو میں بلا طلب و اجازت تیمم کر کے بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھ لیتا تھا اور گاڑی بدستور چلی جاتی تھی اور وہ چپ چاپ میری نماز کا تماشا دیکھا کرتے تھے، آخر بعد مٹھبت اس حال سے لوہے میں جکڑے ہوئے ہم دہلی میں داخل ہوئے جہاں لے جا کر زیر بنگلہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس دہلی کے ہم کو ایک تہ خانہ میں زندہ درگور بند کر دیا، دوسرے دن دہلی سے کراںل اور پھر کراںل سے انبالہ ہم کو لے گئے، جب ہم انبالہ میں پہنچے بہت رات جا چکی تھی، اسی طرح بے آب و دانہ ہم تینوں آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا، جہاں ہم شروع اپریل تک برابر بند رہے، دوسرے دن فجر کے وقت پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ اور میجر وکھیل صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور کپتان ٹائی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ مثل ماجوج کے میری کوٹھری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سبب حال بتلا دو، تمہارے واسطے بہت بہتر

ہوگا، میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا، اس وقت پارسن صاحب نے مجھ کو پہلے بہت دھمکایا اور پھر مارنا شروع کیا، جب میری دھمکی پہنچی اور میں گر پڑا تو مانی صاحب اور نکفیل صاحب کو ٹھہری کے باہر کھڑے ہو گئے اور جب اس قدر مار پر بھی میں نے کچھ نہ بتلایا تو وہ سب اُس دن مایوس ہو کر چلے گئے، میں نے جب یہ کیفیت ظلم و تعدی کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے، میرے ذمہ کچھ رمضان کے روزے باقی تھے، دوسرے دن میں نے اُن کی قضا رکھنی شروع کر دی۔

دوسرے دن جب میں روزہ سے تھا، علی الصبح پارسن صاحب پھر آیا اور وہی کارروائی شروع کی، مگر تھوڑی زد و کوب کے بعد مجھ کو اپنی نگہی میں بٹھلا کر مانی صاحب ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ پر لے گیا جہاں پر وہ دونوں صاحب یعنی مانی صاحب اور میجر نکفیل صاحب بھی موجود تھے، اُس دن اُنھوں نے میری بڑی چالپوسی کی اور کہا کہ ہم تحریری عہد کرتے ہیں کہ اگر تم دوسرے شرکار اور معاونین جہاد کو بتلا دو تو تم کو سرکاری گواہ کر کے رہا کر دینے کے سوا بڑا عہدہ بھی دیوں گے اور بصورت نہ بتلانے کے تم کو پھانسی ہوگی، میں نے اس چالپوسی پر بھی انکار کیا تو پھر پارسن صاحب ان دونوں سے انگریزی میں کچھ باتیں کر کے مجھ کو ایک الگ کمرہ میں لے گیا، جہاں لے جا کر پھر مارنا شروع کیا، میں کہاں تک لکھوں، آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شاید کسی پر ہونی ہو لیکن بفضل الہی میں سب سہا گیا مگر اپنے رب سے ہر دم یہ دُعا کرتا جاتا تھا کہ اے رب یہی وقت امتحان کا ہے، تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم رکھو، جب وہ ہر طرح مایوس ہو گئے تو لاچار بعد آٹھ بجے رات کے مجھ کو جیل خانہ کو واپس بھیج دیا، میں تمام دن روزے سے تھا، بنگلہ سے نکل کر درخت کے پتوں سے روزہ افطار کر لیا اور جیل میں پہنچ کر جو میرے حصہ کا کھانا رکھا تھا، اس کو کھا کر شکر الہی

کر کے سو رہا۔ جس دن میں ٹائی صاحب کے بنگلہ پر اس مار پیٹ کی لذت بنگلہ کے اندر اٹھا رہا تھا، اُس وقت منشی حمید علی صاحب تھانپوری تحصیلدار زرائن گڑھ صرف اس قصور پر کہ اُس نے میری گرفتاری سے چند برس پہلے اپنے کسی دنیاوی معاملہ میں مجھ کو ایک خط لکھا تھا اور بعض عکسہ کچھری نے جو اُس کے دشمن تھے اس خط کے معنی غلط بیان کر دیے تھے جس پر وہ غریب معزز عہدہ دار معطل ہو کر باہر آ رہے تھے میں غمگین بیٹھا تھا، میں اس کا غمگین چہرہ دیکھ کر اپنی تکلیف بھول گیا اور یہ خیال دل میں آیا کہ مجھ منحوس نالائق کو فقط ایک خط لکھنے پر یہ بیچارہ بے گناہ بھی پکڑا گیا، اگر اس کے بدلے مجھ کو ہی سزا ہو جائے اور یہ رہا ہو جائے تو بہت بہتر ہے، میں اپنی اس حالت زار میں اُس کے واسطے بہت دعا کرتا رہا، فضل الہی سے وہ ناکردہ گناہ آخر بری ہو کر پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا اور اب تک اول درجہ کا عہدہ دار ملک پنجاب میں ہے، اس تاریخ کے بعد پھر مجھ کو کبھی گواہ شاہد ہونے کی ترغیب نہیں دی گئی۔

”دسمبر سے اپریل تک یہ سب دارو گیر ہو کر بباہ اپریل مجسٹریٹ ضلع انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور ہم سب لوگوں کو پھانسی گھروں سے نکال کر کچھری میں لے گئے، اُس وقت معلوم ہوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد سعید میرے اُپر اور محمد رفیع حقیقی بھائی محمد شفیع کا اس کے اُپر پھانسی کی دھمکی سے گواہ ہو گئے اور اسی کارروائی سے پچاس ساٹھ آدمی جن میں اکثر مولوی ملاں تھے، ہمارے اُپر گواہ بنائے گئے لیکن اکثر گواہ گواہی دیتے وقت بھی ہماری طرف دیکھ کر زار زار روتے جاتے تھے مگر بے بس، اگر گواہی دیں تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا اور یہ سب گواہ آدائے شہادت محکمہ سیشن کے مثل قیدیوں کے زیر حراست پولیس رکھے گئے تھے اور پولیس ہی سے اُن کو عمدہ خدک اور لباس ملتا تھا، چنانچہ لاکھوں روپیہ سرکار کا ان بے جا کارروائیوں پر صرف

ہو گیا، اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ عباس نام کا ایک لڑکا جو مدت سے میرے
 گھر میں رہ کر پرورش پایا تھا، جب مجسٹریٹ میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے
 محبت کے جھوٹا اور آموختہ بیان میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اسی روز رات کو اُس کو
 ایسی سخت نرادی گئی کہ وہ سچے اس صدمہ سے قبل از درپیشی مقدمہ سیشن کے مرگیا مگر
 رفع بنامی کے واسطے پارس صاحب نے اُس کا مزاکرہ مرض سے شہور کر دیا۔ جس
 دن ہم اول روز مجسٹریٹ میں حاضر کئے گئے تو میرا بھائی بھی زمرہ گواہان زیر حراست
 پولیس تھا، اس نے مجھ کو بذریعہ ایک سپاہی پولیس کے یہ خبر بھیج دی کہ مجھ کو پولیس نے
 مار پیٹ کر تمہارے اوپر گواہ بنا لیا ہے، سواب جس وقت برابر اجلاس میرے اظہار تحریر
 ہوں گے تو میں اپنے اس بیان سے جو مار پیٹ کر لکھایا ہے پھر جاؤں گا، اس کے جواب
 میں میں نے اُس کو کہلا بھیجا کہ میری قید اور رہائی کچھ تمہارے بیان پر موقوف نہیں ہے
 وہ خا کے ہاتھ میں ہے، اگر تمہارا اظہار بکلف ہوا ہے تو اب اُس سے پھر جانے پر مجرم
 دروغ جلفی تم کو سزائے سخت ہو جاوے گی، میں تو پہلے سے پھنسا ہوا ہوں تمہارے
 پھنس جانے سے والدہ ضعیفہ صدمہ کھا کر ملاک ہو جاوے گی، اس واسطے بہتر ہے
 کہ جو تم نے پہلے لکھایا ہے وہی اب بھی بیان کرو، لیکن باہیں ہمہ جب اس کا اظہار میرے
 سامنے ہونے لگا تو وہ پہلے اظہار سے منکر ہو گیا، صاحب لوگ برابر اجلاس اُس کا انکار
 سن کر اول تو بڑے غصے ہوئے مگر بوجہ اس کی صغیر سنی کے اس کو کچھ سزا نہ دے سکے
 اس کا نام گواہوں سے کاٹ کر اس کو نکال دیا، کثرت گواہوں کے سبب سے ایک
 ہفتہ تک فقط یہی مقدمہ کچری مجسٹریٹ میں پیش ہوتا رہا۔ صاحب لوگوں کا تعصب
 ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بروقت درپیشی مقدمہ کے ہم نے یہ درخواست
 کی کہ ہماری نماز کا وقت آ گیا ہے ہم کو نماز پڑھنے کی اجازت بخشی جائے تو یہ اجازت

بھی ہم کو نہ دی گئی مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے، ہم نے عین دوران مقدمہ میں تمیم کو کے بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لی، ایک ہفتہ کی کارروائی کے بعد ہمارا مقدمہ سیشن سپرد ہوا، اس وقت تک ہم پھانسی گھروں میں علیحدہ علیحدہ قید تھے، بعد سپر کی سیشن کے ہم سب کو ایک جگہ حوالات میں بند کر دیا، اب بعد ایک مدت کے تنہائی اور چلہ کشی کے جو ہم سب دوست ایک جگہ جمع ہوئے تو بڑی خوشی ہم لوگوں کو ہوئی میں تو سعدی کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتا تھا

پائے در زنجیر پیش دوستاں

بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

مگر ایک مدت دراز چار ماہ تک تھلیہ اور تنہائی سے ہم لوگوں کو بہت روحانی فائدہ ہوا تھا۔ انوار الہی آئینہ صافیہ قلب میں خوب محسوس ہوتے تھے، نماز روزہ میں کمال لذت محسوس ہوتی تھی کہ شاید وہ کیفیت برسوں کے چلہ کشی اور گوشہ نشینی میں بھی حاصل نہ ہوتی، اس وقت مولوی کچی علی صاحب کی صحبت ایک مغنمات سے تھی:

”اس صبر اور استقلال کے انعام کو خیال کر کے اول سے آخر تک میری زبان

پر تو شکر ہی شکر جاری رہا، مولوی کچی علی صاحب کی کیفیت اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ

کر تھی، وہ اکثر اس رباعی کے مضمون کو ادا کیا کرتے تھے

فلست ابالی حین اقتل مسلما علی ائی شق کان للہ و سرعی

وذلك فی ذات الالہ وان یشا یشا یبارک علی اوصال شلو ممزع

ترجمہ: نہیں پروا کرتا ہوں میں جب کہ مارا جاؤں میں مسلمان کسی کروٹ پر ہو پھر کر

جانا میری طرف خدا کی اور یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اگر چاہے برکت دیوے اور ملا دینے

ٹکڑوں پر اگندہ کے۔

یہ وہ رباعی ہے جب حضرت خبیث ایک صحابی کو کفار مکہ پھانسی دینے لگے تو اس نے نہایت جوانمردی سے یہ رباعی پڑھ کر راہِ خدا میں جان دی اور شہید ہوا اور اس کی موت کی خبر اور اس کا سلام خود جبرئیل علیہ السلام نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچایا تھا، مولوی کھنئی علی صاحب بڑے درد اور عشق سے یہ شعر بھی اکثر سید صاحب کے فراق میں پڑھا کرتے تھے۔

اتنا پینام درد کا کہنا جب صبا کوئے یار سے گزرے
کون سی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گزرے

بعد التوائے دراز کے ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو پھر ایک آخری اجلاس سیشن ہوا اور جج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتویٰ سنرا پر اپنے گھر پر بیٹھ کر حسب ایما گورنر صاحب کے لکھ لائے تھے، اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے چاروں سیرا سے سشن جج صاحب نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس مقدمہ کو اول سے آخر تک سنا، اب جو رائے ہو لکھ کر پیش کرو، ہم نے دیکھا کہ یہ چاروں اسیر اس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ آنسو بھر لاتے تھے اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے مگر جب صاحب سیشن جج و کیشنر کی رائے کو ہماری سنرا پر پائل پایا تو مارے ڈر کے اٹھنوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک بھی جرم مندرجہ فرد قرار داد ثابت ہے پھر تو صاحب جج و کیشنر نے بعد حصول اس جیلد قانونی کے اپنی تجویز جو پہلے سے مینر لکھی ہوئی رکھی تھی پڑھنی شروع، جس میں آئیں بائیں شائیں کر کے پلوڈن صاحب کی عمدہ دلیل کا جواب تھا اور پھر سب سے پہلے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم عقلمند اور ذمی علم اور قانون داں اور اپنے شہر کے نمبر دار اور رئیس ہو، تم نے اپنی ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا، تمہارے ذریعہ سے آدمی اور روپیہ

سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا، تم نے سوائے انکار بحث کے کچھ جیتنا بھی خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فہمائش کے اُس کے ثابت کرانے میں کچھ کوشش نہ کی اس واسطے تم کو پھانسی دی جاوے گی اور تمہاری کل جائیداد ضبط سرکار ہوگی اور تمہاری لاش بھی تمہارے وارثوں کو نہ دی جائے گی بلکہ نہایت ذلت کے ساتھ گورستان جبل میں گاڑ دی جائے گی اور اخیر میں یہ کلمہ بھی فرمایا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہونگا یہ سارا بیان موصوف کائیں نے نہایت سکوت سے سنا مگر اس آخری فقرہ کے جواب میں میں نے کہا کہ جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے، آپ کے اختیار میں نہیں ہے وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کر دے لیکن اس جواب باصواب پر وہ بہت خفا ہوا مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ اور میرا کیا کر سکتا تھا جس قدر سزا میں اُس کے اختیار میں تھیں سب دے چکا تھا لیکن اس وقت میرے منہ سے یہ الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اس وقت تک زندہ موجود ہوں مگر وہ اس حکم کے دینے کے ٹھورے عرصہ کے بعد ناگہانی موت سے رہی ملک عدم ہوا، مجھ کو اپنی اس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پھانسی کو سن کر ایسا غوش ہوا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا، اس حکم کے سننے سے میری وہ کیفیت ہوئی کہ گو جنت فردوس اور حوریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگ گئی تھیں، میرے بعد مولوی یحییٰ علی صاحب اور اُن کے بعد محمد شفیع اور اُن کے بعد نبردار سب آدمیوں کو حکم سزا سنا دیا گیا، جن میں، میں اور مولوی یحییٰ علی صاحب اور حاجی محمد شفیع تین آدمیوں کے واسطے پھانسی وغیرہ حسب مذکورہ بالا اور باقی آٹھ مجرموں کو دائم کچس بصورہ ریائے شروع ضبطی جائداد کے سزا ہوئی، میں نے مولوی یحییٰ علی صاحب کو بھی نہایت بلباش پایا، لیکن محمد شفیع کے چہرہ کا رنگ بدل گیا تھا، تاہم انھوں نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تھاما، اُس دن

پولیس والے اور تماشہ بین مرد عورت بکثرت حاضر تھے۔ قریب تمام کے اعاطہ کچھری ضلع انبارہ کا خلقت سے بھرا ہوا تھا، حکم سنا کر اس کا چپ ہونا تھا کہ صدر مستح اہل پولیس زیر حکم کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آ کر کہنے لگا کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو روزا چاہیے، تم کس واسطے اتنا بتا رہے ہو، میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی امید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے اور تم اس کو کیا جانو، اس مقام پر یہ بات بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ پارسن صاحب بھی ایڈورڈس صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا اور اس مقدمہ میں شروع سے اس نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا جس کی تفصیل یہ قلم بھی نہیں کر سکتی، مگر خداوند تعالیٰ انتقم حقیقی تو موجود تھا گو اس کے کام دیر اور سہولت سے ہوتے ہیں، ہم کو سزا ہو کر تھوڑے دن گزرے تھے کہ یہ بے خوف بھی دنیا ہی میں پاگل ہو کر رہی ملک عدم ہوا۔ اس دن تماشہ بین لوگ ہماری پھانسی کا حکم سن کر اکثر زار زار روتے تھے، کوئی خدا کی مرضی اور راضی بقضا سے اپنے رنج کو روکتا تھا، کوئی دم بخود ساکت ہو کر ہم کو دیکھ رہا تھا، جیل خانہ تک بیسیوں مرد عورت ارد گرد ٹرک کے ہارامنہ دیکھتے ہوئے چلے گئے، اسی حالت کے اندر پولیس ہم کو جیل خانہ میں لے گئی اور وہاں پہنچ کر ہمارے کپڑے اور لباس معمولی اتار کر ضبط کر لیے گئے۔ اور ہم سب کو گیر والباس پہنا دیا۔ ہم تین پھانسی والوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا، باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ملا دیا۔

۲۔ منی کی رات کو جب ہم ان ننگ تارک کو ٹھریوں میں جو نواب سراج الدولہ کے بلیک ہول قلعہ کلکتہ سے بھی بڑھی ہوئی تھیں بند ہوئے تو پہلی ہی رات کو ایک جہنم کا نمونہ ہو گیا، اسی کی صبح کو ہم نے اہالیان جیل خانہ سے اپنی تکلیف بیان کر کے چاہا کہ کسی طرح بوقت شب ان کو ٹھریوں سے باہر رکھا جائے مگر سب اہالی جیل خانہ مارے ڈر کے انکار کر

کے باہر چلے گئے۔ لیکن ان کا انکار کر کے جیل خانہ سے باہر نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک سوار
 تارکھر سے ایک ضروری لفافہ لے کر پہنچا، لفافہ کھول کر جو دیکھا تو اس میں یہی لکھا تھا کہ
 ان تین پھانسی والوں کو بوقتِ شب میدان میں باہر سُلا یا کرو، یہ طرفہ تماشہ آئید الہی کا
 دیکھ کر اسی دم جیلخانہ والوں نے ہم کو حکم سُنا دیا، ہمارے واسطے بڑے اہتمام سے
 تین پھانسیاں اور اس کے ریشمی رتے تیار ہونے اور ادھر مثل مقدمہ کو واسطے منظوری
 پھانسی کے محکمہ چیف کورٹ پنجاب میں بھیج دیا۔

” ۲۲ مئی تاریخ سُنانے حکم پھانسی سے ۱۶ ستمبر تک ہم پھانسی گھروں میں بند رہے۔
 اہالیانِ جیل ہمارے پھانسی دینے کا سامان تیار کر رہے تھے اور ادھر ہم انگریزوں کا تماشہ
 بن رہے تھے، صد ہا صاحب لوگ اور سیم روزانہ ہمارے دیکھنے کو پھانسی گھروں میں آتے
 تھے مگر بخلاف دوسرے عام پھانسی پانے والوں کے ہم کو نہایت شاداں و فرماں پا کر
 یہ یورپین بہت تعجب کرتے، اکثر ہم کو پوچھتے تھے کہ تم کو بہت جلد پھانسی ہوگی۔ تم خوشی
 کس واسطے کرتے ہو۔ ہم اس کے جواب میں صرف اس قدر کہہ دیتے کہ ہمارے مذہب میں
 خدا کی راہ میں ایسے ظلم سے مارے جانے پر درجہ شہادت کا ملتا ہے۔ اس واسطے ہم کو خوشی ہے۔

” اب اس مقلب القلوب کی ظاہری کارروائی کو سنیے، جب بہت سے صاحب
 اور سیم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت شاداں و فرماں دیکھ گئے تو یہ چرچا سب صاحب
 لوگوں میں پھیلا تب اُن صاحب لوگوں نے جو ہمارے جانی دشمن تھے یہ خیال کیا کہ ایسے
 دشمنوں کو سنہ مانگی موت شہادہ جس کے واسطے وہ ایسا خوش ہو رہے ہیں دینی نہیں چاہیے
 بلکہ اُن کو کالے پانی بھیج کر وہاں کی مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرانا چاہیے۔ ہم نے دیکھا
 کہ مطابق اسی ہماری پیشین گوئی کے صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۶ ستمبر کو پھانسی گھروں میں
 تشریف لائے اور چیف کورٹ کا حکم ہم کو پڑھ کر سُنا دیا کہ تم پھانسی پرنے کو بہت

دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو۔ اس واسطے سرکار تمھاری دل چاہتی نہ کہ تم کو نہیں دیوے گی، تمھاری پھانسی سزائے دائم کھس بجبور دریائے شور سے بدلی گئی، بجزو سنانے اس حکم کے پھانسی گھروں سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا، اور جیلخانہ کے دستور کے موافق مقرض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش کر منڈی بھیر سا بنا دیا، اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی کبھی علی صاحب اپنی ڈاڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں بکری گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔

۱۸۶۵ء میں یہ لوگ پورٹ بلیر انڈمان بھیجے گئے، ان لوگوں کے جانے کے بعد صادق پورٹنہ کے وہ مکانات جن میں جماعت کے لوگ ٹھہرے تھے مع مکانات کھودوا کر پھنکوا دیے گئے، ۱۸۷۱ء کے اخیر تک بہار اور بنگال میں گرفتاری کا سلسلہ جاری رہا۔ پٹنہ میں امیر خاں سوداگر چرم اور مولوی تبارک علی وغیرہ پٹنہ میں مولوی امیر الدین صاحب اور اسلام پور میں ایک مقرر و ضعیف شخص ابراہیم منڈل کو گرفتار کیا گیا اور پرانے گواہوں سے گواہی دلو کر کالے پانی روانہ کر دیا گیا، امیر خاں کی جائداد سے حکومت نے مقدمہ کاکل فرج پورا کیا، پورٹ بلیر میں مولانا احمد اللہ صاحب اور مولانا کبھی علی صاحب نے انتقال فرمایا۔ ۱۸۸۳ء میں اٹھارہ برس کے بعد مولوی محمد جعفر صاحب اور ان کے رفعا کی رہائی کے احکام جاری ہوئے اور یہ حضرات ہندوستان واپس آئے، مولانا عبدالرحیم صاحب نے صادق پور کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ انھیں کے الفاظ میں سننے کے قابل ہے:

”صادق پور گیا تو وہاں دیکھا کہ ہم لوگوں کے مکانات کل منہدم کر کے کتب و دست میدان بنا دیا گیا ہے اور اس پر بازار اور سٹیو پلٹی کے مکانات بنا دیے گئے ہیں، میں نے چاہا کہ اپنے خاندانی مقبرہ کو جہاں چودہ ٹپشت سے ہمارے آبا و اجداد دفن ہوتے چلے آئے

تھے جا کر دیکھوں اور خصوصاً اپنے والدین ماجدین غفر اللہ لہما کے مزار کی زیارت کروں اور اس پر دعائے مغفرت اور فاتحہ پڑھوں مگر ہر چند کہ کوشش کی پتہ نہ بلا، بعد تیس و تھیس بسیار غور فکر کے قرنیہ سے معلوم ہوا کہ حضرات والدین ماجدین کی قبریں کھود کر اس پر بنائے عمارت میونسپلٹی بنا دی گئی ہے، اے حضرات ناظرین! اس وقت اس حرکت کا جو ہمارے اموات کے ساتھ کی گئی جو صدمہ دل پر گزارا وہ بیرون از حیضہ تحریر و تقریر ہے۔ اس وقت تک اس کی یاد سے بدن کے رونگٹے تک کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے جرم میں ہمارے اموات و آبا و اجداد کی قبریں کیوں کھوی گئیں اور وہ مقبرہ کیوں معرض ضبطی میں آیا، ہماری عادل گورنمنٹ نے کیوں یہ کام کیا؟



سید صاحب کے خلفاء و مریدین کی فہرست

مطابق حروف تہجی

جن کے حالات دستیاب ہو سکے ہیں درج ہیں

(الف)

مولانا ابراہیم بن مدین اللہ نگر نہسویؒ

مولانا ابراہیم ۱۲۲۵ھ - ۱۲۸۲ھ فضلاء عصر میں سے تھے
 مولانا نور الاسلام بن سلام اللہ دہلوی، مفتی شرف الدین مولانا
 حیدر علی ٹونکی، مفتی صدر الدین دہلوی، شیخ حسن علی، شاہ اسحق صاحب سے تلمذ تھا، اٹھارہ برس تک مدرسہ عالیہ کلکتہ
 میں مدرس رہے، تلامذہ میں مشاہیر علماء ہیں تصنیفات میں محبی شرح دیوان المتنبی، ضابطہ الادب اور شمسہ کا حاشیہ
 یادگار ہے۔ (نزہتہ)

میاں جی احسان اللہ بڈھانویؒ

شیخ احمد علماء و اعیان مغرب قصی میں سے تھے،
 بخاری مع شرح قسطلانی حفظ یاد تھی، سفر حج میں

شیخ احمد بن ادیسؒ وزیر سلطان مغرب

۱۲۳۶ھ میں سید صاحب سے بیعت ہوئے۔

سید احمد علی، باپ کا نام سید عبد السمان تھا، سید صاحب کے بھانجے تھے
 جہاد میں آپ کے ساتھ شریک رہے پھولڑہ کی جنگ میں شہادت پائی صالح،

سید احمد علی شہیدؒ

ذی علم اور باوقار تھے، تین صاحبزادے تھے، سید زین العابدین عرف میاں عابد، سید حسن ثلثی عرف محمد موسیٰ اور
 سید ابوالعاسم۔

مولوی احمد الدین پھلتی

مولانا احمد اللہ ۱۲۲۳ھ - ۱۲۹۸ھ جلیل القدر مجاہدین اسلام میں سے
ہیں، باپ کا نام مولوی الہی بخش ہے جو پٹنہ عظیم آباد کے روسا عظام میں

مولانا احمد اللہ عظیم آبادی

سے تھے، آپ مولانا یحییٰ علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ کا اول نام احمد بخش تھا، سید صاحب

نے بدل کر احمد اللہ رکھا۔ مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور دوسرے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور وقت کے مشاہیر

علماء میں ہوئے۔ صادق پور میں پچھلے زمانہ میں جتنے عالم ہوئے وہ سب آپ کے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد تھے۔

آپ بڑے فقیہ، صاحب تدبیر و تجربہ، بارسوخ اور سربراہ اور رئیس تھے، حکومت رفاہ عام کے کاموں میں اکثر آپ کے

مشورہ لیتی، وائسرائے کے دربار میں آپ درجہ اول میں شمار ہوتے، حکومت و رعایا کے اختلافی قضیوں میں آپ ہی

حکم اور ثالث بنتے، حج سے اگر آپ کو اختلاف ہوتا تو آپ ہی کی رائے پر مقدمہ صدر سے فیصل ہوتا، ۱۸۵۶ء کے بعد

آپ پر غلط الزام لگانے کے جرم میں مسٹر میڈل کبشنر ٹنپہ درخواست کر دیے گئے لیکن ۱۸۶۴ء میں مجاہدین سرحد کی امداد

اور حکومت کے خلاف منافرت پھیلانے کے جرم میں حکومت نے آپ پر مقدمہ چلایا اور تمام سابقہ خدمات اور تعلقات پر

خاک ڈال دی، مولانا کو بیس دوام بعبور دیرانے شور کا حکم ہوا۔ تمام شہر عشرہ محرم ہو گیا، لیکن آپ کو کوئی حزن و ملال

نہ تھا۔ صابر و شاکر راضی بقضات تھے، آپ پورٹ بلیر انڈین بھیجے گئے وہاں آپ نے خارق عادت استقامت و ثبات

کے ساتھ تین سال تکالیف و مصائب میں بسر کر کے انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ رحمة المجاہدین و المہاجرین،

آپ کے صاحبزادوں میں خاقانی ہند علامہ حکیم عبد الحمید، مولانا اشرف علی ایم اے مرحوم اور مولانا عبد الحکیم تھے۔

قاضی حیات بخش صاحب کے فرزند، بڑے دیندار عالم و حافظ اور بڑے

قاضی احمد اللہ میرٹھی

پرہیزگار زندگی تھے، مع اپنے والد ماجد کے حضرت علیہ الرحمہ کے ہمراہ سفر حج

میں تھے، لشکر میں جمعہ اور عیدین کی نماز وہی پڑھاتے تھے اور خطبہ وہی پڑھتے تھے اور کبھی کبھی نماز پنجگانہ بھی پڑھتے

تھے۔

مولانا عبدالحی کے علاقائی بھائی، بڑے دلاور سپہ گرو اور بڑے دیندار و پرہیزگار تھے، آپ کی مولانا عبدالحی سے صرف خط و کتابت تھی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ملاقات کا نہایت اشتیاق تھا، افسوس کہ مولانا کے انتقال کے چار روز بعد خمر پیچھے اور حادثہ کو سن کر نہایت متأسف ہوئے، اپنے بھتیجے مولوی عبدالقیوم کو سینہ سے لگایا اور آخر دم تک سید صاحب کے ساتھ رہے۔

مولانا اسماعیل شہید، مولوی اکرام الدین دہلوی صاحب تفسیر سورۃ فاتحہ

خواجہ المکسّ مدینہ منورہ میں اولیاء اللہ میں شمار ہوتے تھے۔

الہ بخش خاں مورانوی

منقّی الہی بخش ۱۱۶۲ھ۔ ۱۲۲۵ھ۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگرد اور مرید تھے۔ بڑے فقیہ، طبیب، شاعر اور مصنف تھے، اکثر تصانیف تصنیف کے بعد اپنے شاگردوں کو عنایت فرادیتے۔ اس لیے بہت کم تصانیف محفوظ رہیں، عربی، فارسی، اردو پر یکساں عبور تھا، قصیدہ بانٹ سعادت کی عربی میں شرح لکھی جس میں ہر شعر کا عربی، فارسی اور اردو میں منظوم ترجمہ ہے۔ مثنوی مولانا روم کا تکملہ لکھا جو مطبوع و مشہور ہے۔

۱۲۳۲ھ کے ماہ ربیع الاول میں سید صاحب کی ملاقات و بیعت سے مشرف ہوئے، اس وقت

لے وقائع احمدی

۱۲۳۲ھ "ملہ" ملہات احمدیہ میں لکھتے ہیں درحد و دستہ الف و ائین و اربع ثلاثین در ماہ ربیع الاول بتاریخ ہفت

دہم بلازست آن برگزیدہ جناب الہی مجدد طریقہ رسالت پناہی فائز گردایند ۱۲

آپ کی عمر بہتر سال اور سید صاحب کی عمر چونتیس سال کی تھی۔ ایک ایسے شیخ سے بیعت ہونا جو عمر میں اتریس سال چھوٹا اور رسمی طور پر عالم نہیں تھا، آپ کی للہیت، بے نفسی اور خلوص کی دلیل ہے، بیعت ہونے کے بعد سید صاحب کے طریقہ اور اذکار میں ملامت احمدیہ کے نام سے فارسی میں ایک کتاب لکھی جو صراطِ مستقیم کا خلاصہ مع ضافہ ہے، آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ مولوی ابوالقاسم اور مولوی ابوالحسن جو مشہور شہنوی گلزار ابراہیم کے مصنف ہیں جو ان کی بڑی کتاب بجز حقیقت کا ایک حصہ ہے، آپ کا خاندان نہ صرف ضلع مظفرنگر بلکہ ہندوستان میں اپنی علمی و دینی حیثیت سے ممتاز ہے، مولانا الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی اسخی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

مولانا امام الدین، موضع حاجی پور بنگال کے رہنے والے، حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے خاص شاگردوں میں سے تھے، کسی شیخ طریقت سے علوم باطنی کی تعلیم حاصل کرتے تھے، دہلی میں اُس وقت سید صاحب کا شہرہ تھا، مجلس میں حاضر ہوئے، باتیں کیں لیکن کوئی اتفاقاً پیدا نہیں ہوا، اتفاق سے لکھنؤ کے قیام میں ایک مرتبہ بغرض ملاقات نہ براہ ارادت سید صاحب کی مجلس میں حاضر ہوئے،

سید صاحب لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، آپ پر نظر پڑی تو بیعت کے لیے ارشاد ہوا، آپ نے بتیا بانہ بیعت کی۔ بیعت کرتے ہی مستغرق اور از خود رفتہ ہو گئے، لوگ آپ کو اٹھا کر لے گئے، تین دن برابر استغراق طاری رہا، اور آپ ہوش میں نہیں رہے لیکن عجیب بات تھی کہ نماز کے وقت آپ کو ہوش آجاتا اور نماز پڑھ کر پھر مستغرق ہو جاتے، کھانے پینے کا ہوش نہ تھا، کسی طرح سے آپ کو کھلایا پلایا جاتا، لیکن اس ظاہری بیہوشی کے ساتھ باطنی آگاہی اور ہوشیاری کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ اس وقت جب میں قضا حاجت کے لیے جاتا تو شرم و انگیزہ ہوتی کہ خدا کے سامنے کس طرح برہنہ ہوں لیکن شرع کی اجازت سے بقدر ضرورت لباس کو بدن سے ہٹاتا۔

مولانا امام الدین نے برہا برس سید صاحب کی خدمت کی اور فیوض باطنی اور انوار روحانی کا کتاب کیا اور خصوصیت کے ساتھ صراطِ مستقیم کی تعلیم خود سید صاحب سے حاصل کی اور مضامین کتاب کی تشریح میں آپ جو کرا نقد معارف و حکم و لطائف فرماتے ان کو محفوظ رکھا۔

ٹونک میں آپ نے قیام اختیار کیا، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے خدمت کی سعادت حاصل کی اور صراطِ مستقیم

کی تعلیم خاص طور پر حاصل کی۔ نواب صاحب مرحوم وصالیئے وزیر می لکھتے ہیں کہ :

” ذکر جہر کی تعلیم کے وقت جس وقت مولانا اسم ذات اللہ زبان سے کہتے ۔
ظاہری ہوش و حواس سے نکل کر انوار باطنی میں مستغرق ہو جاتے اور ” باہر ہوش چھٹی
مد ہوش مجازی می گردید۔ بیت

ہوشیاری را حجابِ یاری دانیم ما
بیخودی را بزمِ بے غیاری دانیم ما (وصالیئے وزیر)

امام خاں خیر آبادیؒ۔ امام الدین ناں راپوریؒ۔ سید امیر علیؒ

سید محمد امین بن سید غلام فرید حسینی، حضرت سید ابو الفتح عبداللہ
معروف بہ شاہ ابن بدر چشتی کرمانی کی اولاد سے تھے جو دسویں صدی
ہجری کے مشہور صاحب ارشاد و ہدایت اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے، آپ کا خاندان بلحاظ علم و فضل، مشیخت ارشاد
اور عزت و وجاہت ہمیشہ ممتاز رہا۔ تقریباً ۱۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے، جس زمانہ میں حضرت سید صاحب راپور
میں قیام فرماتے، مولانا شہید کے مواعظ سے متاثر ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور بیعت کی، حج سے واپسی کے بعد
حب سید صاحب نے جہاد کا ارادہ فرمایا اور ملک میں اپنے داعی روانہ فرمائے تو آپ نے بھی لبیک کہا اور جماعت
مجاہدین میں داخل ہو کر جہاد میں شریک رہے۔ اسی زمانہ میں خلعت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ تحریک جہاد ختم
ہوئی تو باقی ماندہ قافلہ کے ساتھ ٹونک آئے اور کچھ عرصہ نواب امیر خاں کی خدمت میں رہنے کے بعد وطنِ اہلس
آکر اصلاح و تبلیغ میں مصروف ہو گئے، جس اتفاق کہ ضلع مراد آباد، بجنور اور اس کے مضافات میں آپ کے بزرگوں
کے ہزار ہا مرید و معتقد موجود تھے، بنا بنایا میدان مل گیا، از سر نو ان لوگوں سے سید صاحب کے طریقہ میں بیعت لیا
تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی حالت کچھ سے کچھ ہو گئی، پیر پستی، قبر پستی، شرک و بدعات اور جاہلانہ رسوم
کے بجائے اتباع سنت، پابندی شریعت، ایمان و خلوص کا وہ جذبہ پیدا کر دیا کہ یہ جماعت بحیر ایمان و عمل بن گئی

قوالی و مزامیر کی جگہ تہجد و اشراق اور فرائض و سنن کی ادائیگی نے لے لی اور اس طرح ہزاروں انسانوں کی اصلاح ہو گئی، ادبیات فارسی میں کافی دستگاہ تھی، عربی سے بھی بقدر مایحتاج واقف تھے، شعر سے بھی ذوق تھا، حضرت سید صاحبؒ اور آپ کے رفقا و مجاہدین اور واقعات جہاد کا ایک منظوم تذکرہ فارسی میں لکھا تھا جس کے یہاں میں اپنے اکلوتے فرزند کے جو اس زمانہ میں صغیر سن تھے، غازی و مجاہد بننے کی دعا و تمنا کرتے ہیں :

بعلم و عمل بہرہ مندی دہی ز تاج ادب سر بلندی دہی
مجاہد چنانش کن اندر غزا کز و تار سد بر نصاریٰ سزا

اس میں عیسائی حکومت کی جس کی بنیاد اس زمانہ میں پڑ چکی تھی انتہائی مذمت اور اس سے نفرت و اجتناب کی تعلیم دی ہے۔ مسلمانوں کی اخلاقی و مذہبی پستی کا ذمہ دار حکومت تسلطہ کی بے دینی کو قرار دیا ہے اور اس کے ظلم و جور سے پناہ مانگتے ہوئے اس کی تباہی اور زوال کے لیے دعا کرتے ہیں :

بہ نیروئے اسلامیہاں زور دہ کہ شد از سگاں شہر ہا کوردہ

.....

بجاں آدمیم از تعدیٰ شال بسے الاماں المدد الاماں

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بغایت جری و بیباک تھے، کسی شخص کو اگر شرعیّت سنتِ مطہرہ کے خلاف عمل کرتے دیکھتے تو بلا لحاظ اس کے مرتبہ و وجاہت کے فوراً ٹوک دیتے اور ذرا نہ جھکتے، سفر و حضر، قیام و قعود، اکل و شرب، غرض ہر حالت میں اتباع سنت کا لحاظ رکھتے تھے، زہد و ورع اور تقویٰ و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی شخص کا پانی بھی اُس وقت تک نہ پیتے جب تک اُس کی وجہ آمدنی اور جواز کا اطمینان نہ ہو جاتا۔ غلغلہ لیل میں نماز صبح اور اول وقت نماز عصر مسجد میں باذان و اقامتہ ادا فرماتے، ہتھیاروں سے بہت شوق تھا۔ ہر وقت جذبہ عمل اور ذوق جہاد میں سرشار رہتے، ۱۲۸۵ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

(از افادات مولانا سید حسن ثنی صاحب رضوی امر وہی)

سید اولاد حسن۔ ۱۲۰۰ھ۔ ۱۲۵۳ھ سید صاحب کے
 خلفاء عظام میں سے ہیں، نواب انور جنگ بہادر سید اولاد علی

مولانا سید اولاد حسن قنوجی

خان قلعہ دار گو لکنڈہ کے صاحبزادے اور امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم کے والد بنام دار ہیں
 لکھنؤ میں مزار حسن علی محدث اور دہلی میں شاہ رفیع الدین صاحب سے حدیث و فقہ و تفسیر کی تعلیم حاصل کی، اور
 مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث و وظائف و ادعیہ ماثورہ کی سند لی اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب
 سے بھی استفادہ کیا، اپنا آبائی مذہب شیعہ ترک کیا، تمام اہل خاندان سے جو شیعہ تھے اپنے تعلقات منقطع کر لیے، اور
 مراسم شادی و غمی کو یک قلم اٹھا دیا، سید صاحب کے سفر جہاد کے موقع پر حاضر ہو کر بیعت کی اور رفاقت اختیار کی
 سید صاحب محبت و خصوصیت کی بنا پر سید برادر کے لفظ سے مخاطب کیا کرتے تھے، آپ کے نام سید صاحب کا
 ایک خط ہے جس سے خصوصیت و تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ دس ہزار آدمیوں سے زیادہ قنوج اور اطراف قنوج کے
 لوگ آپ کے مرید ہوئے اور کئی ہزار ہندو مشرف باسلام ہوئے، مختلف مقامات میں بہت سی مساجد و مدارس
 کی بنیاد پڑی۔

قنوج میں مولانا کی وجہ سے عقائد و اعمال و رسوم کی بڑی اصلاح ہوئی۔ پوری پوری برادریوں نے آپ کا
 رنگ قبول کر لیا اور قبیح سنت بن گئیں، ان اطراف میں آپ کے برکات اور اصلاحی اثرات اب بھی محسوس ہوتے ہیں۔
 توسع و استفادہ میں سلف کا نمونہ تھے، اسی تقویٰ و احتیاط کی بنا پر والد کی عظیم الشان جائداد چھوڑ
 دی، ایک مرتبہ سید صاحب نے آپ سے فرمایا کہ :

” سید برادر! شما اموال کثیرہ والد خود کہ حسابش بہ لکوک می رسد چرا گزشتید

امروز آن زر بسیار اگر بدست شما می بود بکار مسلمانان می آمد “

مولانا نے جواب دیا کہ :

” مخدوم گزشتہم، پدر من شیعہ بود و مال بسیار فراہم آوردہ و عمارت بسیار

برائے نام آوری بنیاد نہادہ، ندانم کہ از وجہ حلال است یا حرام، اگر حرام است خود

گرفتنی نیست و اگر حلال است حق تعالیٰ مرا عوضِ آن دولتِ علم بخشیدہ ازاں مستغنی
فرمودہ است

فان المال یفنی عن قریب وان العلم یبقی لا ینزل
بلکہ گمانِ کرامت و حرمتِ قوی است زیرا کہ ہر کہ در دین خود امین و ناقد نباشد
در امرِ دنیا ازو چہ امانت نگیرد۔

اللہ تعالیٰ نے اس قربانی و ایثار کا سید صاحبِ مرحوم کو جو اُخروی اجر عطا فرمایا اس کو وہ بہتر بنا
ہے مگر دنیا میں جو اس کا معاوضہ ملا اس کو دنیا جانتی ہے، والد نے خدا کے لیے جائیداد چھوڑی تھی، خدا نے بیٹے
(نواب صدیق حسن خاں مرحوم) کو سلطنت عطا فرمائی و ہل جزاء الاحسان الا الاحسان
اس واقعہ کے علاوہ ایک روز تمام اسناد و تمسکات اور شہر قنوج کی جائیداد کے کاغذات آگ میں جل
دیے اور فرمایا کہ :

”محتاج چند قطعاتِ زمین و چند باغ برائے معاش نیستم و فی السماء

رزقکم و ما توعدون۔

شاہِ مارادہ دہ منت نہد رازقِ مارزق بے منت دہد

اسلام اور مسلمانوں کی خدمت، عبادت، تصنیف و تالیف کے علاوہ صبح و شام ورزش کرنا ان کا
معمول تھا، سپاہیانہ وضع میں ہمیشہ رہا کرتے تھے بشیر و عصا کمان و تفنگ سے مسلح رہتے، آپ کے پوتے صفی اللہ
حسام الملک نواب سید علی حسن خاں مرحوم نے سیرتِ والا جاہی میں آپ کے حالات لکھے ہیں، آپ کا خاندان
لکھنؤ، بھوپال اور قنوج میں موجود ہے۔

اولاد علی ماد ہومی

— (ب) —

باز خاں خالص پورٹی۔ شیخ باقر علی عظیم آبادی۔ شیخ بخارامی مدرس مدینہ منورہ
شیخ بدھن۔ برکت اللہ بنگالی۔

اپنے وطن کے رئیس نامدار اور تونگر تھے، جب سید صاحب کے لشکر سے اپنے
وطن کو گئے اور وہاں سے مع اہل و عیال ہجرت کر کے آئے، تمام اپنا مال و اسباب
ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ جو لائے تھے سب حضرت علیہ الرحمۃ کی نذر کیا کہ آپ اس کو بیت المال میں داخل
کریں یہاں تک کہ ایک روز بیوی کا کنجانی پیجامہ لاکر دیا کہ اس کو بھی آپ بیت المال میں داخل فرمادیں، آپ
نے دو گھوڑے اور دو تلواریں رکھ لیں اور باقی سب مال و اسباب ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ انھیں کے حوالہ کیے کہ
اپنے لوگوں کو گھوڑے اور ہتھیار دے دیں۔

ارباب صاحب آخر دم تک سید صاحب کے ساتھ رہے اور وفاداری اور اخلاص شعار کی پوری پورا
حق ادا کیا، اس علاقہ کے خوانین میں ان سے زیادہ صادق و مخلص اور محب با وفادار نہ تھا، بالاکوٹ میں اپنے شیخ
و امیر اور اپنے مخلص رفقا کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا اور دفن ہوئے، بعد میں ان کے خاندان والے ان کی
لاش نکال کر جو محفوظ پائی گئی اپنے وطن لے گئے اور تہکال میں دفن کیا یہ

— (ج) —

مولوی جعفر علی، سید قطب علی کے بیٹے، بستی کے رہنے والے ممتاز علماء وقت
میں سے تھے۔ ایام شباب میں جب سوائے درس و تدریس کے کوئی شغل نہ تھا
سید صاحب کا شہرہ بلند ہوا، حاضری کا ارادہ کیا تھا کہ معلوم ہوا کہ حج کے لیے تشریف لے گئے، واپسی پر آپ کے
والد ماجد سید قطب علی اور بھائی سید حسین علی سترہ آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور ایک مہینہ خدمت

بارکت میں قیام کر کے خلعتِ خلافت سے ممتاز ہوئے، سید جعفر علیؒ نے پہلے اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی، جب سید صاحبؒ سرحد تشریف لے گئے تو والد ماجد کے مع اہل و عیال آنے کی اجازت چاہی لیکن سید صاحبؒ نے ان کے ضعف و پیری کے پیش نظر اجازت نہیں دی، جب ہندوستان سے مہاجرین و مجاہدین کے قافلے واز ہونے لگے تو آپ نے والدین سے اجازت چاہی، انہوں نے چشم گریاں آپ کو رخصت کیا اور آپ ۲۰ اشخاص کے ساتھ ۹ رمضان المبارک ۱۲۵۵ھ کو اُمتب کے مقام پر مجاہدین سے جا ملے یہ اس وقت سے بالاکوٹ کے معرکہ تک آپ ساتھ رہے، آپ سید صاحبؒ کے کاتب خاص اور غشی تھے، بالاکوٹ کے حادثہ کے بعد اپنے وطن محبوبا میر واپس آئے، مسلمانوں کی دینی تباہی اور مذہبی بربادی دیکھ کر آپ کے درد مند دل میں بے چینی اور ایمانی حرارت میں غیر معمولی جوش پیدا ہوا، مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت کے سنوارنے اور دین سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو شاہراہ اسلام پر لانے کے لیے کنبہ، قبیلہ، گھربار، عیش آرام چھوڑ گاؤں گاؤں، شہر شہر کا دورہ کرتے رہے اور اپنے جدِ امجد آقا و مولیٰ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تبلیغ و اشاعت میں مرٹے، آپ کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایسا اثر رکھا تھا کہ سنگدل موم اور دشمن جاں نثار ہو جاتے، آپ کی توجہ سے ہزاروں تعزیر دار اور گور پرست تباہ ہو کر قبیح سنت ہوئے، ہزاروں دیوی دیوتا کے پجاری معبودان باطل سے بیزار ہو کر ایسے پتکے موحد بنے کہ تقریباً ایک صدی گزر جانے کے باوجود ان گھروں میں دینداری پائی جاتی ہے اور ان کی اولاد شرک و بدعات کی آفات محفوظ ہے۔

ضلع بستی و گورکھپور و چھپرہ و گوندہ و ترائی نیپال کی عام مسلم آبادی کی دینداری حضرت مولانا کی تبلیغی جانفشانی اور اشاعتی سرگرمی کی رہین منت ہے۔ حضرت کے حالات و خوارق عادات کا اب تک لوگوں میں چرچا، آپ کی محبت سے لوگوں کے دل معمور ہیں، بہت مزے لے لے کر آپ کا ذکر خیر کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں دینداری حضرت مولانا کے قدموں کی برکت سے آئی اور انہیں کے صدقہ میں ہم اور ہمارے آباؤ مسلمان کہلانے کے مستحق ہوئے۔

آپ کی تمام تر توجہ مشرکانہ رسوم کے مٹانے اور دینی احکام کے رواج دینے کی طرف منعطف رہی،

اس وجہ سے درس و تدریس تصنیف و تالیف کا بہت کم موقع ملا، جو تصانیف تھیں بھی وہ اہل خاندان کی غفلت اور ناقدرانی کی وجہ سے ضائع ہو گئیں، ایک مختصر مطبوعہ رسالہ در بیان ملت و حرمت جانوران قسم سائبہ و بحیرہ وغیرہ اردو زبان میں ہے اور منظومہ السعداء فی احوال الغزاة والشہداء (فارسی) کا تذکرہ کتاب کے ماخذ میں آچکا ہے۔ دینی خدمات کے سلسلہ کی ایک کڑی آپ کا قائم کیا ہوا ایک سو چودہ سالہ علمی تاریخی یادگار مدرسہ ہدایت المسلمین کراچی ہے۔ جس کی بنیاد واقعہ بالاکوٹ سے واپسی کے بعد ۱۲۴۶ھ میں آپ کے مبارک ہاتھوں پر ہی تھی، یہ مدرسہ آپ کے وطن مجھو امیر سے چھ میل کے فاصلہ پر پورب جانب کراچی میں واقع ہے اور بستی سے آٹھ میل پر ہے۔ حضرت کے کوئی فرزند زینہ نہ تھے۔ ایک صاحبزادی بی بی زینب تھیں ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور کوئی اولاد نہ ہوئی، آپ کے برادر خورد سید حسن علی کے ایک صاحبزادہ سید محمد زکریا تھے جن کی اولاد مجھو امیر میں ہے۔ مولانا بمقام مجھو امیر ۱۲۱۸ھ پیدا ہوئے اور ۱۲۸۸ھ ماہ رمضان مبارک میں یہ علم و عمل و تبلیغ کا چمکتا ہوا ستارہ ایک عالم کو اپنے علم نبوت سے منور کرنے کے بعد شریس کی عمر میں غروب ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ، آپ مجھو امیر کچھم جانب کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

مولانا نے وفات سے کچھ روز قبل ایک خواب دیکھا تھا جس کا درج کر دینا خالی از لطف نہ ہو گا جو مولانا کے ایک وصیت نامہ میں درج ہے، مولانا لکھتے ہیں :

”ایک دن یہ خاکسار شب کو سو رہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ ایک مقام عالیشان آراستہ و پیراستہ ہے اور وہاں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی جناب مرشدنا سید احمد صاحب و جناب مولانا اسماعیل صاحب کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ اور بھی چند لوگ ارد گرد کرسیوں پر نہیں مگر ایک کرسی خالی رکھی ہوئی ہے، کسی صاحب نے پوچھا یہ خالی کرسی کس کے لیے ہے۔ ایک صاحب نے اس محفل بابرکت سے جواب دیا کہ یہ کرسی مولوی جعفر علی صاحب کے لیے ہے، پھر یہ مُردہ پاتے ہی آنکھیں کھل گئیں، اور سجدہ شکر بجالایا کہ وہ خالی کرسی دیکھا چاہیے اللہ کب نصیب کرتا ہے۔“

(از افادت مولانا ہدایت علی صاحب مہتمم مدرسہ ہدایت المسلمین کراچی ضلع بستی)

جواہر خاں لکھنویؒ۔ مولوی شیخ جیونؒ

— (ج) —

مولوی چشتی کا ندھلویؒ

— (ح) —

سید صاحب علیہ الرحمۃ کے مُریدِ خاص اور اپنے زمانہ کے شیوخ میں تھے، تلاشِ مُرشد میں مشرق و مغرب کی سیاحت کی اور ملک ملک پھرے۔ اللہ نے سید صاحبؒ تک رہنمائی کی، آپ کی تعلیم و فیضِ صحبت سے مقصدِ دلی برآیا اور دولتِ روحانی سے مالا مال ہوئے مُریدِ برحق کبھی کبھی طالبین کو تربیت کے لیے پُرد فرمادیتے، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے وصالیئے وزیر ہیں آپ کا ذکر کیا ہے۔

مولانا عبداللہ غزنویؒ آپ ہی کے مُرید تھے، مُرید کے رنگ سے شیخِ مولوی حبیب اللہ قندھاریؒ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حسن خاں بسندھیؒ

اللہ آباد کے قریب ایک دیہات گیا کے رہنے والے تھے۔ وطن میں عبت و جہالت کی سخت تاریکی پھیلی ہوئی تھی، روزہ دار اور پابندِ نماز عتقا کا حکم رکھتا تھا اور زکوٰۃ و حج کی سعادت تو کیمیا کی طرح نایاب تھی، شیخ صاحب نے پندرہ سال کی عمر سے ناخواندگی کے باوجود نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خدمت انجام دینی شروع کی، اعزاز اور اقرار کو شرک و بدعت سے روکتے وہ جان کے دشمن ہو گئے، آپ کو دیوانہ مشہور کر کے ہتھکڑیوں بٹیروں میں جھڑ دیا۔ آپ نے اس کی کوئی پُرا

نہ کی اور اس گرفتاری میں بھی آزادی کے ساتھ چھ سال تک وعظ و نصیحت اور شہرک و بدعت اور فسق و فجور کی بڑی مذمت کرتے رہے، ایک مرتبہ ایک عالم باعمل آئے اور حقیقت حال معلوم کرنے کے بعد انہوں نے ان کے عزیزوں سے کہا کہ یہ شخص ایک دن باکمال ہونے والا ہے ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دینی چاہیے اور ان کی قدر کرنی چاہیے، لوگوں نے یہ سن کر توبہ کی اور شیخ صاحب کی باتوں پر عمل کرنا شروع کیا، شیخ صاحب نے پہلے سے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے شیخ و مرشد کو خود یہاں بھیجے گا، اتفاقاً انہیں دنوں میں حضرت سید صاحب کا ان اطراف میں تشریف لے جانا ہوا، آپ نے شیخ صاحب کے حالات سن کر ان سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور خود تشریف لے گئے، شیخ صاحب نے اپنے تمام اعزاء و اقربا کے ساتھ بیعت کی اور مریدین و مخلصین کے زمرہ میں داخل ہوئے اور حضرت سید صاحب کی رفاقت اختیار کی۔

سید حمزہ (مکہ مکرمہ) سید حمزہ ساکن برہما

سید حمید الدین ٹونکی عالم و فاضل اور فارسی کے قادر الکلام شاعر و شہسوی تھے، سید صاحب کے بھانجے اور مولوی سید محمد علی صاحب تذکرہ مخزن احمدی کے بھائی تھے، سفر جہاد میں سید صاحب کے ہمراہ تھے، اس سفر کے حالات آپ ہی کے خطوط سے ماخوذ ہیں، نواب وزیر الدولہ مرحوم کی قدر دانی سے ٹونک میں اپنے بھائیوں اور اعزاء کے ساتھ اقامت اختیار کی، ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی، آپ کے دو صاحبزادے تھے، سید محمد سعید و سید عبد المجید۔

سید حمید الدین ٹونکی

جہات خاں بریلوی - مولانا حمید علی دہلوی ثم ہوشیار پوری

مولانا حمید علی علامہ عصر تھے، دہلی میں ولادت ہوئی، صغیر سن میں رامپور چلے گئے، نحو و عربیت میں سید غلام جیلانی و مولانا عبدالرحمن قہستانی اور شیخ رستم علی رامپوری کے شاگرد تھے، لکھنؤ میں ملازمین سے ایک عرصہ تک پڑھتے رہے، پھر دہلی جا کر شاریع الدین

مولانا حمید علی رامپوری

و شاہ عبدالعزیز صاحب سے استفادہ کیا اور حکیم شریف سے طب پڑھی، حضرت سید صاحب سے طریقت کی تعلیم حاصل کی، ذکات، سُعت اور اک، جامعیت معقول و منقول، کتاب و سنت و اختلاف ائمہ سے وفیقت، تبحر علمی میں سرآمد روزگار اور علومِ حکمیہ میں بجز خارتھے، رامپور میں شادی کی اور عرصہ تک وہیں رہے۔ اس لیے رامپور میں مشہور ہو گئے، پھر کلکتہ کا سفر کیا، پھر ٹونک تشریف لے گئے، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے پوری جوہر شناسی اور قدر دانی فرمائی اور ریاست کا مدار المہام مقرر کر دیا، آپ نے وہیں سکونت اختیار فرمائی، درس و افادہ کا سلسلہ برابر جاری رہا، پرانے ٹونک میں آپ کی مسجد جس میں آپ درس دیتے تھے موجود ہے، شاگردوں میں شاہیہ وقت ہیں۔

—(خ)—

خدا بخش جمہنی

مولانا خرم علی شاہیہ علمائے ہند سے ہیں، خاندان مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد اور مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب کے خاص دوستوں اور ساتھیوں میں سے تھے، ہمیشہ رتبہ بدعت اور احیاء سنت کی کوشش میں مصروف رہے، توحید و اصلاح عقائد میں تقویۃ الیگانہ کی طرح ایک مختصر رسالہ "نصیحۃ المسلمین" لکھا جو نہایت سادہ، مؤثر اور روزمرہ میں ہے، سید صاحب کے حال وین و مبلغین میں سے تھے، اسی زمانہ میں ایک منظوم رسالہ "جہاد" لکھا جو نہایت مؤثر اور بہت آفریں نظم ہے، سید صاحب کی موجودگی میں وہ بعض اوقات جہاد کے موقع پر پڑھی گئی ہے، جب آپ نے تور سے پشاور کا قصد فرمایا تو یہ نظم پڑھی جا رہی تھی، آپ شرکت جہاد کے لیے سرحد سید صاحب کے پاس تشریف لے گئے تھے لیکن کسی وجہ سے واپس تشریف لے آئے، منشی محمد جعفر صاحب سوانح احمدی ۲۸۵ پر لکھتے ہیں افسوس ہے کہ یہ بزرگ بائیں ہمہ اوصاف قبل از معرکہ بالاکوٹ رنجیدہ ہو کر ہندوستان لوٹ آئے تھے۔

آپ کے آبا و اجداد اگرچہ قصبہ بہور ضلع کانپور کے رہنے والے تھے لیکن ناہالی تعلق سے آپ قصبہ آسیون میں سکونت پذیر رہے، جہاں علم و تصنیف اور وعظ و نصیحت میں مصروف رہ کر ۱۲۷۳ھ کے لگ بھگ

انتقال کیا اور قصبہ آسیون کے قریب آبادی سے شمال مغربی گوشہ میں عید گاہ کے قریب مدفون ہوئے۔
 آپ نے بہت سے مفید تراجم کیے ان میں مشارق الانوار کا اردو ترجمہ تحفۃ الاخیار و مختار کا ترجمہ نورا لصابا
 (جو مولوی محمد حسن نانوتوی کے تکرار کے بعد غایۃ الاوطار کے نام سے چھپا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب
 "القول الجلیل" کا ترجمہ شفا العلیل خاص طور پر قابل ذکر نہیں۔) (از افادات حکیم عبدالعلی صاحب آسیونی)

بڑے عاقل، صاحب تدبیر، خوش اخلاقی میں بے نظیر، بڑے امانت دار،
 راست گفتار، نہایت حلیم الطبع، بڑے بہادر فتوت شعار تھے، سید صاحب
مولوی خیر الدین شیر کوٹی
 کے نزدیک نہایت لائق اور صاحب اعتبار تھے، جہاد میں آپ نے ان سے بڑے بڑے کام لیے اور سفارتوں پر بھیجا،
 ایک مرتبہ توپ خانہ آپ کے سپرد کیا، ایک مرتبہ موضع چھتر بانی کا قلعہ دار کیا، ایک مرتبہ موضع لوند خوکا تحصیلدار بنایا
 ایک دفعہ پانچ سو غازیوں کا امیر کر کے مظفر آباد کو رخصت کیا، آپ ہمیشہ صائب مشورے دیتے، بہت ہوش گوش اور
 متوازن دماغ کے آدمی تھے۔

—(۵)—

دین محمد خادم۔ دین محمد کور ہرستانوی

—(۶)—

مولانا رجب علی جون پور کے مشہور فقیہ اور عالم و واعظ تھے مولانا سخاوت
مولانا رجب علی جونپوری
 علی جونپوری، مولانا قدرت علی راولوی اور مولانا احمد علی چڑیا کوٹی سے کتابیں

۱۲۴۳ھ میں قاضی حسین الدین صاحب کو قاضی پر گنہ آسیون مقرر کیے جانے کے متعلق جو صورت حال یا محضر لکھا گیا
 تھا، اس پر شرفا قصبہ آسیون کے دستخط ہیں، ان میں مولانا مرحوم کے بھی دستخط ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ آخر رجب ۱۲۴۳ھ
 تک موجود تھے۔

پڑھیں، سید صاحب سے بیعت و مُردیت تھی، ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔

شیخ رضانی مورانویؒ

— (ز) —

سید احمد علی شہید خواہر زادہ سید صاحب کے صاحبزادہ سید
زین العابدین عرف میاں عابد اسم ہاسمی عابد وزاہد، راست گفتار،

سید زین العابدین ٹونکیؒ

صداقت شعار، غریب پرور، غریب نواز، ہر وقت زبان پر یاد الہی اور دل میں عزیزوں کی کار برآری اور ان کی امداد
کی فکر رہتی تھی، اعز میں اگر کوئی ٹونک پہنچ جاتا تو بغیر اس کے کسے اس کی ملازمت کی فکر میں لگ جاتے، بیسیوں
اعزا و اجباب کو برسر کار کر دیا۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم سید صاحب کی وجہ سے اور آپ کے اوصاف اور بزرگی کی
بنا پر نہایت احترام کرتے تھے، نہایت سادہ لباس اور متواضع تھے، دنیا سے بے رغبتی اور خدمت خلق و شفقت
علی الناس میں سلف کا نمونہ اور اخلاق حسنہ میں شرافت کا مجسمہ تھے، ۶۱ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ
(سیرت اللابرار)

حاجی صاحب سید صاحب کے قدیم معتقد اور بڑے مخلص بے ریا
تھے، بڑے عابد وزاہد، صاحب باطن و صاحب تاثیر، بڑے

حاجی زین العابدین خاں رامپوریؒ

دیندار و پرہیزگار تھے، ہندوستان میں ان کی ذات بابرکات سے بہت لوگوں کو ہدایت ہوئی، خصوصاً ملک بنگالہ اور
شہر کلکتہ میں بے شمار لوگ ان کے فیض باطنی سے مستفید ہوئے۔

— (س) —

سادل خاں خیر آبادیؒ

مولانا سخاوت علی جونپوری قصبہ منڈیا ہو میں جو شہر جون پور سے ۱۱

مولانا سخاوت علی جونپوریؒ

میل جنوب میں واقع ہے۔ ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد

مولانا رعایت علی ابن مولوی درویش علی فاروقی ہیں جو حضرت شیخ محمد کوفی فاروقی کی اولاد میں ہیں حضرت شیخ محمد کوفی کا مزار ظفر آباد متعلقہ جو پور میں مخدوم چراغ ہند کی قبر کے متصل ہے، آپ کا سلسلہ نسب ابوہریرہ فرخ شاہ کابلی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ مولانا سخاوت علی کا خاندان جو پور کے مشہور روسا و شرفار کے خاندانوں میں شمار ہوتا تھا، مولانا رعایت علی "خان" رزیدنسی کے میٹریٹی تھے اور وہلی میں اکثر قیام رہا۔ "خان" کا خطاب بھی تھا، مولانا سخاوت علی نے ابتدائی کتابیں مولوی قدرت علی راولوی مرحوم سے پڑھیں اور پھر مولوی احمد اللہ انامی تلمیذ حضرت مولانا شاہ الحق دہلوی سے تکمیل علوم نقلی و عقلی فرمائی، مولانا عبدالحی دہلوی اور مولانا اسماعیل شہید دہلوی سے بھی تلمذ تھا اور سند حدیث حاصل تھی، حضرت سید احمد صاحب شہید رائے بریلوی سے بیعت تھی، مولانا کی درخواست پر سید صاحب قصبہ منڈیاہو میں بھی تشریف لائے تھے اور بہت سے لوگ مشرف بہ بیعت ہوئے اور مولانا کے اعزاز میں سے مولوی فتح علی برادر مولوی فیاض علی مرحوم بیعت کے بعد حضرت سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں بھی تشریف لے گئے اور وہیں شہید ہوئے، سید صاحب نے مولوی فتح علی کا نام بدل کر عبد القدوس کر دیا تھا۔

مولانا سخاوت علی تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے، محض حسبہ اللہ طلباء کو درس دیتے رہے اور انکی کفالت بھی کرتے رہے، مولانا کا دولت کدہ ایک مستقل مدرسہ بنا رہا۔ بہار، غازی پور، بنارس، اعظم گڑھ، جو پور کے بکثرت طلباء، مولانا کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ جامع مسجد شاہی جو پور میں ایک مدرسہ قرآنیہ بھی قائم فرمایا، جس سے اطراف و اکناف میں بکثرت حفاظ قرآن مجید پیدا ہوئے، تھوڑے دنوں نواب ذوالفقار علی خاں بہادر والی باندہ کے یہاں ریاست باندہ میں سلسلہ درس و افتاء بمشاہرہ دوستو روپیہ ماہوار قیام رہا لیکن اپنی والدہ کی پیاری سالی کا خیال فرما کر وطن واپس چلے آئے اور ملازمت چھوڑ دی اور باوجود اصرار بلوغ نواب صاحب پھر تشریف نہیں لے گئے۔

مولانا نہایت متقی، پرہیزگار اور قلع سنت بزرگ تھے، مولانا کے ذریعہ سے قدیم جاہلانہ رسوم کا ابطال اور مذہبی شعائر کا اجراء بہت ہوا، وعظ و تلقین سے ہمیشہ تہ بدعات اور اتباع سنت کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہے، فتویٰ مدلل لکھتے تھے، اقوال فقہاء میں سے ہمیشہ اس قول پر فتویٰ دیتے تھے جس کی تائید قرآن و سنت صحیحہ سے ملتی تھی، مولانا کا فیض ہے کہ اب تک جو پور میں کوئی فتویٰ لغویہ جاری نہیں کرتا، مولانا نہایت درجہ باعمل عالم

تھے۔ تمام عمر اول وقت پر مسجد میں اجتماع نماز کا خاص اہتمام تھا، عصر کی نماز ہمیشہ ایک مثل پر اور فجر کی نماز قرآن طویل کے ساتھ غلّس میں پڑھتے رہے۔ شہور ہے کہ جب حج کو جانے لگے تو بعض حضرات نے کہا کہ مکہ معظمہ میں آپ کے دو معمولوں میں سے ایک میں فرق آجائے گا، یا اجتماع چھوٹے گی یا اول وقت مثل کا چھوٹے گا، کیونکہ حرم میں سب سے پہلے حنیفہ کی جماعت ہوتی ہے اور وہ دو مثل پر ہوتی ہے، مولانا نے فرمایا کہ خدا سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں باتیں ادا کرادے گا۔ عجب اتفاق کہ مولانا کے پہنچنے سے ایک ماہ قبل حنیفی مصلیٰ پر ایک مثل پر نماز ہونے لگی اور مولانا کی نیت اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی۔

مولانا کو حضرت سید صاحب کے ساتھ نہایت درجہ حسن اعتقاد اور تعلق تھا، اتباع سنت، حسن خلق، تواضع و خود شکنی کی وہ تمام صفات پائی جاتی تھیں جو آپ کی جماعت کے خواص اور تربیت یافتہ و منکر کی نفوس کی خصوصیت ہیں۔ رسالہ "وصول" میں فرماتے ہیں: اور ان سب میں طریقہ محمدیہ جناب امیر المؤمنین امام المسلمین امام اوصیاء احمد رضی اللہ عنہ و دامت برکاتہ الی الیوم القیامتہ سے ظاہر ہوا کہ جامع ہے سب طریقوں کی نسبت کا۔ انہ اسی میں فرماتے ہیں:

"اس فقیر کو یہ بیعت طریقہ چشتیہ اور قادریہ نقشبندیہ اور مجددیہ اور محمدیہ امیر المؤمنین

بسط سبط اکبر مجدد ثالث عشر امام اوصیاء احمد دامت برکاتہ الی الیوم القیامتہ ہے اور

اجازت بیعت لینے کی بھی حامل، اس ذکر کو بطور تبرک و انتساب کے کیا تاکہ کوئی اہل اللہ

اس گھر کا غلام سمجھ کر بدعاید کرے اور فقیر نجات پاوے ورنہ تنگ فقر درویش ہوں فقیر

کہاں اور یہ نسبت عالی کہاں؟ لے

مولانا کی استعداد علمی اور ذہانت و قابلیت اور مولانا کے صحیح خیالات کا آئینہ خود مولانا کی تحریریں اور

تصانیف ہیں، اگرچہ مولانا کو کثرت درس سے تصنیف و تالیف کا موقع بہت کم ملتا تھا جو تصانیف تھیں ان میں سے

بھی بعض ناپید ہو گئیں اور جو پائی جاتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

التقویم فی احادیث النبی الکریم (مطبوعہ صدیقی پریس بنارس) رسالہ تقویٰ در رد بدعات رسالہ اظم
 در علم منطق، یہ رسالہ سلم کے مقابلہ میں نہایت مختصر اور جامع ہے، اس رسالہ کی ایک شرح مولانا علی نعمت چلواری
 نے لکھی اور ایک شرح مولانا عبدالوہاب بہاری کے اسی جزو میں لکھی ہے، عقائد نامہ اردو، رسالہ کلمات کفر، رسالہ
 اسرار و فقر، وصیت نامہ رسالہ عرفان الاوقات در تحقیق نماز پنجگانہ، جوابات سوالات تسوہ از مولوی شیخ محمد مچھلی
 شہری قاضی بھوپال، ان جوابات میں تعلید صحیح اور حدیث قلتین اور ماہ کثیر و قلیل کی بہت لطیف بحثیں ہیں، ان
 جوابات میں مولانا کے عقائد و خیالات پر بہت صاف روشنی پڑتی ہے، یہ تمام رسائل چھپ گئے ہیں لیکن اب کیا
 ہیں، رسالہ عرض نیک در مناظرہ شیعہ غیر مطبوعہ۔

مولانا کے ملائذہ کی فہرست بہت طویل ہے، خصوصاً اضلاع شرقی و بہار میں بکثرت ہیں، چند نام

درج ذیل ہیں :

مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی، مولانا رجب علی جونپوری، مولانا محمد شریف جونپوری، ملا غلام محمد
 جگدیس پوری، مولانا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری، مولانا سید محمد یعقوب دسوی بہاری، مولانا سید مصطفیٰ شیر دسوی
 بہاری مدرس مدرسہ خانقاہ ہسرام، مولانا شجاعت حسین بہاری، مولانا محمد عمر غازی پوری، مولانا غلام جیلانی بازیڈہ
 غازی پوری، مولانا فیض اللہ موئی اعظم گڑھی، مولانا رحیم اللہ ساکن ضلع بستی۔

مولانا نہایت خوش رو و کشیدہ قد، گداز بدن تھے، آخر عمر میں بدن زیادہ بھاری ہو گیا تھا، کپڑا نہایت
 صاف و سادہ پہنتے تھے، بہت خوش خوراک تھے، مولانا کا دسترخوان بہت وسیع رہتا تھا، ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام
 ہوتا تھا، اُس زمانہ میں جب کہ برف کا رواج بھی نہ تھا، ٹھنڈا پانی مہیا کرنا خاص مشکل کام تھا، آموں کا بہت شوق تھا،
 علاوہ خانہ باغ کے آموں کی فصل میں پانچ پانچ سو روپے کے آم خود کھاتے اور طلباء کو کھلاتے تھے، کبھی کبھی دسترخوان
 پر نفیس ترین غذا کو ہاتھ نہ لگاتے اور بالکل سادی غذا پر قناعت کرتے۔

مولانا کے والد کے انتقال کے بعد مولانا کی آنکھیں ماموں منستی محمد غوث نے پرورش کی اور اپنے ہمراہ جونپور میں

رکھا اور مولانا کی پہلی شادی اپنی لڑکی سے کر دی، اس بیوی کے لطن سے دو صاحبزادے مولوی محمد اور مولوی محمد جنید

اور ایک صاحبزادی ہوئی، پھر اہلیہ نے انتقال کیا۔ مولانا کی دوسری شادی قاضی محمد ضیاء اللہ سب حج کی صاحبزادی سے ہوئی، آپ کے بطن سے بھی دو صاحبزادے مولوی محمد شبلی اور مولوی ابوالخیر محمد کی اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔ چاروں بیٹے عالم ہوئے، مولوی محمد اور مولوی محمد جنید نوجوان وفات فرما گئے اور مولوی ابوالخیر کی اولاد جو پور میں ہے۔ آخر عمر میں ہندوستان کے مشہور منگامہ ۱۵۷۷ء سے چھ ماہ قبل مولانا امیر علی صاحب شہید کی شہادت کے بعد مولانا ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے، اہلیہ ساتھ تھیں، مولوی تکی وہیں پیدا ہوئے، مولانا وہیں اپنے اوقات غزنی خد کی عبادت میں صرف کرتے، اور درس و تدریس میں مشغول رہتے، بالآخر شوال ۱۲۶۴ھ میں انتقال فرمایا۔ اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔

(از افادات مولانا ابوبکر محمد شہید صاحب فاروقی مرحوم سابق ناظم شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگرہ بغیرہ مولانا سخاوت علیؒ)

سید سراج الدین رائے بریلویؒ

مولانا سید سراج الدین بن سید مہدی کھینی الواسطی ہسوی
حضرت سید صاحبؒ کے مریدین مجاز میں سے تھے اور آپ سے

مولانا سید سراج الدین ہسویؒ

خاندانی تعلق بھی تھا، زہد و ورع، سخاوت و مروت، شہامت و جلاوت، علم و ذکاوت میں نوادر روزگار میں سے تھے اور بقول صاحب نزہتہ الخواطر ان اوصاف میں ضرب المثل تھے۔ آپ کے والد حضرت شاہ مہدی کاملین طریقت اور حضرت شاہ علی اکبر موودمی فیض آبادی کے خلفاء میں سے تھے، آپ کے دوسرے بھائی حضرت شاہ ابوالقاسم حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ کے خلفاء میں سے تھے، آپ کے صاحبزادے اور مولانا سراج الدین کے بھتیجے اور داماد مولانا سید عبد السلام ہسوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شاہ احمد سعید دہلوی مشائخ وقت اور اکابر علماء میں سے تھے

مولوی سید سعید الدین رائے بریلوی سید صاحب کے بیٹے عام

مولوی سید سعید الدین رائے بریلویؒ

میں سے تھے، لکھنؤ میں مولوی محمد حیات مرحوم سے درسیا

کی تعلیم حاصل کی، کلکتہ میں بابورا پرتلاو کے جو امرائے کلکتہ میں سے تھے ملازم ہو گئے، ان کی سمیت میں دہلی اکبر شاہ

کی خدمت میں آئے اور خلعت سے سرفراز ہوئے، اکبر شاہ کی طرف سے باوراما پر شاد اور مولوی سعید الدین کا سفارت کے لیے لندن جانے کا ارادہ سے کلکتہ آئے مگر دونوں کا جانا نہیں ہو سکا، کلکتہ کے قیام میں ایک انگریز سے انگریزی پڑھی اور باوراما پر شاد کی ترغیب سے وکالت کا استمان دیا اور منظر ٹورپس وکیل سرکار مقرر ہوئے۔ چند سال کمال لیاقت و دیانت اور نیک نامی کے ساتھ وکالت کی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد خانہ نشین ہو گئے، زمینداری خرید لی، باغات لگوائے اور خدمتِ خلق، غربا پروری، اعزاز نوازی اور دین و دنیا کی جامعیت کے ساتھ کمالِ عزت و دست و نیک نامی سے زندگی گزار کر انہی برس کی عمر میں ۱۲۹۳ھ میں انتقال کیا۔ آپ کی سادگی، تواضع، غریب نوازی، شفقت اور حسن انتظام کے قصے خاندان میں زبان زدِ خاص و عام ہیں، آپ کے دو صاحبزادے تھے، مولوی سید رشید الدین اور حضرت شاہ نیا ربی۔

سید محمد ہارویؒ

— (ش) —

میر شاہ علیؒ۔ مولوی شجاعت علی عظیم آبادی۔ شیخ شمس الدین مصری و عظیم بیت الحرام۔
شمشیر خاں جمعدار مورانوی۔ مولوی شہاب الدین ٹہالوی۔ اخوند شاہ محمد ولایتیؒ۔

— (ص) —

سید صبغۃ اللہ ولایتیؒ۔ حافظ محمد صدیقیؒ۔

شہادتِ مخلص، بڑے مطیع، نہایت دیندار اور پرہیزگار تھے۔ سید صاحب
کی اطاعت کے باب میں کامل اور ثابت قدم، مولوی محمد یوسف صاحب
کے بعد اگر تھے تو وہ تھے، مولانا عبدالحی صاحب کے چچا زاد بھائی تھے جب پنجاب میں ان کی وفات ہوئی تو یہ صاحب
نے فرمایا کہ شیخ صلاح الدین بھلتیؒ |
لہ وقائع احمدی

— (ط) —

قاضی طیبؒ

— (ظ) —

مولانا سید محمد ظاہر رائے بریلویؒ

مولانا محمد ظاہرؒ ۱۱۹۸ھ - ۱۲۶۹ھ مولانا سید محمد ظاہر بن

سید غلام جیلانی بن سید محمد واضح، بن سید محمد صابر، بن

سید آیت اللہ، بن شاہ علم اللہ، سید صاحبؒ کے بنی اعمام میں سے ہیں۔ محمد ظاہر تاریخی نام ہے۔ ابتدائی درسی کتاب اپنے حقیقی چچا مولانا سید قطب الہدیٰ (تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ) سے پڑھیں، پھر ملک العلماء مولانا عبدالعسیٰ بکر العلوم کے دو شاگردوں مولانا ذوالفقار علی دیوبند اور مولانا عبدالجامع سیدن پوری سے تکمیل کی اور اکابر علماء عصر سے استفادہ و مذاکرہ کیا، سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی اور آپ کی معیت میں ۱۲۳۸ھ میں حج کیا، سالہا سال آپ کے ساتھ رہے، تقریر و پذیر، خشونت و نفاست سے پاک ہوتی تھی۔ متفق علیہ مسائل کو ہمیشہ بیان کرتے، فقہ کے جزئی مسائل پر نظر غائر رکھتے، مسائل کی تفسیح اور احادیث کی تحقیق کا اہتمام تھا۔ رائے بریلی، غازی پور، اعظم گڑھ، جون پور وغیرہ میں آپ کے فتاویٰ و فیصلوں کا بڑا اعتبار تھا اور ان یار میں فتاویٰ کے آپ سب سے بڑے مرجع تھے۔ طرق خمسہ حقیقیہ، قادریہ، مجددیہ، نقشبندیہ، محمدیہ میں آپ کو خلافت حاصل تھی، لیکن بیشتر طریقہ قادریہ میں بیعت لیتے تھے، سلوک طریقت میں ایک مفید رسالہ خیر المسالک کے نام سے تصنیف فرمایا جو طالبین سلوک کے لیے بہت مفید ہے۔ مولوی سید خلیل الدین صاحب مرحوم یکموی نے اس کو طبع کرایا، اس کے علاوہ عربی، فارسی میں آپ کے دوسرے رسائل و تصنیفات ہیں، اس علم و عرفان کے ساتھ فنون سپہ گری خصوصاً بانک و نبوٹ، بندوق لگانے میں اسانڈہ وقت میں سے تھے، صحت و حرمت کے ساتھ زندگی بسر کر کے ۸۲ برس کی عمر میں انتقال فرمایا، آہ سید محمد ظاہرؒ تاریخ وفات ہے۔ اولاد زینہ نہ تھی، اولاد دختر میں ایک نواسے مولانا حکیم سید فخر الدین مرحوم اور پانچ نواسیاں تھیں۔ آپ کی صاحبزادی فاطمہ بی بی (اہلیہ مولوی سید عبدالعلی لفسیر آبادی مرحوم) نہایت خوش اوقات اپنے زمانہ کے لحاظ سے تعلیم یافتہ اور خاندان میں بہت باوقار بیوی تھیں۔

بد و شعور سے تادم مرگ فرائض و سنتن، رواتب و تہجد، اوایین و سنن پاشت و اشراق و نوافل طاعات تلاوت قرآن مجید، مطالعہ رسائل فقہ و حدیث اور اذکار کی پابندی، ترجمہ مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح، مفتاح الجنۃ، ضمان الفردوس و حکایات الصالحین و طب احسانی و رسالہ خوانِ نعمت وغیرہ کا مطالعہ رہتا تھا، بچوں اور عورتوں کے علاج میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ (تذکرۃ الابرار)

فتنی ظہور علیؒ

—(ع)—

سید عبد الجلیل رائے بریلوی، آپ کے والد حافظ سید محمد حضرت سید صاحبؒ کے حقیقی ماموں زاد بھائی اور سید

سید عبد الجلیل رائے بریلویؒ

ابواللیث کے صاحبزادہ ہیں جو مشائخ خاندان میں سے تھے، سید عبد الجلیل اپنے وقت کے مشائخ اور سید صاحبؒ کے خاندان کے اکابر میں سے تھے، ۱۳۰ھ میں انتقال فرمایا، آپ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں سید عبد السلام، سید عبد القیوم، سید عبد الحفیظ، سید عبد الرب، سید عبد الرشید، کلثوم بی

مولانا عبد الجلیل کوٹلی، ۱۲۲۵ھ - ۱۲۷۶ھ، علی گڑھ کے رہنے والے، عالم

مولانا عبد الجلیل کوٹلیؒ

محدث اور صاحب مناقب و فضائل بزرگ تھے، حدیث شاہِ امتحان سے پڑھی

اور پورے طور پر اس میں انہماک کیا، سید صاحبؒ سے بیعت تھے اور تمام عمر آپ کے طریقہ پر قائم رہے ۱۸۵۶ء کے ہنگامہ میں شہید ہوئے۔ (نزہہ)

حاجی عبد الرحیم سہارنپوری حسینی افغانی تھے، طریقہ قادریہ میں شاہِ رحم علی

حاجی عبد الرحیم سہارنپوریؒ

القیمی السادھوری اور طریقہ چشتیہ میں شاہ عبد الباری امر وہی سے

بیعت فرمائی، پھر سید صاحبؒ سے بیعت ہوئے، سید احمد شہیدؒ میں آپ کا ذکر آیا ہے۔ میاں جی نور محمد بھنگالو (شیخِ حق

حاجی امداد اللہ ماہرکی، کے شیخ تھے، سفر جہاد میں سید صاحبؒ کے ہمراہ تھے، شہادت سے فرار ہوئے۔

مولانا عبدالحق بنارسى ۱۲۰۶ھ - ۱۲۷۶ھ، علماء اہل حدیث اور شاہ اسماعیل
مولانا عبدالحق بنارسى د مولانا عبدالحق کے تلامذہ میں سے تھے، طلب حدیث کے شوق میں مکی سفر
 کیا اور قاضی محمد بن علی شوکانی، قاضی عبدالرحمن بن احمد بن حسن لہبکی، شیخ عبداللہ بن محمد بن اسماعیل الامیر السیانی
 اور شیخ محمد عابد بن احمد علی السندی سے استفادہ کیا اور حدیث کی عام اجازت حاصل کی۔ (ذنبہ)

قاضی عبدالصمد افغانی

مولانا عبد العلی نصیر آبادی، کتبِ درستیہ اساتذہ لکھنؤ سے پڑھیں
مولانا عبد العلی نصیر آبادی اور حدیث و تفسیر وغیرہ کی تکمیل مولانا سید محمد علی رامپوری (خلیفہ
 حضرت سید صاحب) سے کی اور اجازت حاصل کی، بیعت طریقت اپنے خاندان میں حضرت سید صاحب سے تھی
 اور آپ سے تعلق کے اثرات اور خاندانی برکات بخوبی نمایاں تھے، آپ کے صاحبزادہ مولوی حکیم سید فخر الدین خاں
 مہر جانا ب (فارسی) میں لکھتے ہیں کہ:

”از ہد زماں و مستقی دوراں نھے، ریاست ناگوو (بند لکھنڈ) میں تحصیلدار اور
 منصف تھے، معقول مشاہرہ تھا مگر تعلق دنیا اور سلسلہ طلامت کے باوجود باہمہ و بہیمہ
 تھے، دل بیار اور دست بکار کا مضمون تھا، نہایت خوش اوقات ذاکر و شاغل بزرگ
 تھے، اشراق پڑھ کر مصلیٰ سے اٹھتے، عصر تک سرکاری کام انجام دیتے، عصر کے بعد بیچ
 در دست اور ادب لیب مصلیٰ پر بیٹھے رہتے اور نماز مغرب تک کسی سے بات نہ کرتے، اس
 کے بعد عشا کی نماز تک وظائف وغیرہ میں مشغول رہتے، کھانے پینے میں نہایت محتاط
 تھے، کسی فریق مقدمہ کے ہاں کھانا نہ کھاتے، نہ اس کا تحفہ قبول کرتے، منہیات شرعیہ
 سے بغایت محتنب تھے، اس قرب و جوار کے لوگ آپ کی برکت اور فیض صحبت سے
 ممتشرع اور پابند صوم و صلوة ہو گئے، پوری تنخواہ مستحقین اور مسافروں اور اعزاء و اقربا

کی خدمت میں صرف ہو جاتی اور اپنے لیے دو ایک جوڑے سادے کپڑوں کے سوا کچھ نہ ہوتا، جو شخص آپ کے پاس آتا اس کو ملازم رکھوا کر اس کے کھانے پینے کا انتظام کرتے، اکثر پیدل چلتے، اپنے ساتھ پایہ خدمتگار نہ لیتے، مجلس میں مخصوص جگہ نہ بیٹھتے، گفتگو میں ضد یا اصرار نہ کرتے، حق فوراً قبول کر لیتے، کسی ادنیٰ اعلیٰ پر خفا نہ ہوتے، نوکروں کی غلطی اور قصور سے اغماض کرتے، غیبت زبان پر نہ آتی، کھانا جو سامنے آجاتا کھا لیتے، کھانے کی بُرائی نہ کرتے، اگر نمک کم ہوتا تو بھی نہ کہتے، انکسار و سادگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی تخت پر سو رہتے، کبھی کرسی پر، کبھی زمین پر، صناعی و کتابت خطِ نسخ و نستعلیق طغرائی، صنعتِ نجاری، زرگری و ترصیع میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، چالیس برس کی عمر میں ۱۲۶۹ھ میں ناگو میں وفات پائی، آخری کلمہ زبان پر "بارئقی الاعلیٰ" تھا، اس کفرستان میں پہلی مسجد جو آپ کی سعی سے تیار ہوئی تھی، اس کے جوار میں دفن ہوئے۔

۱۲۳۱ھ - ۱۲۹۹ھ مولانا عبدالحی بڈہانویؒ کے نامور صاحبزادہ، وقت

کے مشہور علماء و صلحا میں سے تھے۔ بچپن میں سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت

مولانا عبد القیوم بڈہانویؒ

کی۔ مولانا محمد یعقوب اور شاہ اسحق سے علم حاصل کیا، سید صاحبؒ کے ایک مرید شاہ محمد عظیم سے طریقت کی تعلیم حاصل کی، نواب سکندر بیگ نے بھوپال کی اقامت کے لیے اصرار کیا اور عمدہ افتا سپرد کیا اور جاگیر نذر کی، اپنے والد نامدار، جد بزرگوار اور خاندان ولی اللہی کے قدیم بقدم اور ان کی برکات کے وارث تھے۔ مناقب و فضائل کے لیے دفتر درکار ہے۔

اخوند عبد العظیم

مولانا عبد اللہ علوی ستمس آباد کے رہنے والے علماء عصر میں سے تھے، شاہ اسماعیل

کے شاگرد اور ادب و شاعری، انشاء اور طب میں کمال رکھتے تھے، دہلی سے

مولانا عبد اللہ علویؒ

فرخ آباد آئے جہاں نواب محمد علی خاں مرحوم نے آپ کی خدمات حاصل کیں، سید صاحبؒ کی مدح میں مولانا کے

بلغ قصائد ہیں، وفات ۱۲۶۲ھ (نزمہ)

مولانا عبد الہادی جھومکوی، ۱۲۰۵ھ - ۱۲۶۵ھ، ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے، انگریزی تعلیم حاصل کی اور قانون کا مطالعہ کیا اور ٹپہ وکالت کا امتحان دینے گئے۔ وہاں سید صاحب کی زیارت ہوئی، آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ شاہ اسماعیل سے تعلیم حاصل کی، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا اولاد حسن قنوجی اور شاہ اسحق سے تکمیل کی، سید صاحب نے آپ کو ساران اور چمپارن میں اپنا نائب بنا دیا، وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت فیض پہنچایا اور ہزاروں کو ہدایت نصیب کی۔ (نزمہ)

مولانا علی احمد ٹونکی، علمائے صاحبین میں سے تھے، مولانا عبد الخالق دہلوی اور شاہ اسحق صاحب سے تعلیم حاصل کی اور شاہ صاحب سے حدیث کی روایت کی، ۱۲۰۰ھ میں سندھ گئے، پھر سید صاحب کے قافلہ سے جا ملے، واقعہ بالاکوٹ کے بعد اس کے ساتھ ٹونکے آئے نواب وزیر الدولہ نے خیر مقدم کیا اور دفتر آپ کے سپرد کیا۔ (نزمہ)

قاضی عماد الدین

مولانا عنایت علی غازی، ۱۲۰۶ھ - ۱۲۷۴ھ، مولانا ولایت علی علیہ الرحمۃ کے دست و بازو اور حضرت موسیٰ کی دُعا وَاَجْعَلْ لِي وَزِيْرًا مِّنْ اٰهْلِ هَارُونَ اَخِي اَشْدُّدْ بِهٖ اَزْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ کے مصداق تھے، سید صاحب سے بیعت کے بعد سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے اور آپ کے حسب ارشاد تبلیغ و جہاد کے کام انجام دیتے رہے لیکن آپ کے جوہر اس وقت کھلے جب سید صاحب کی شہادت کی خبر سے ہندوستان میں انتشار و جمود پیدا ہو گیا اور مولانا ولایت علی نے اجماع و تنظیم کا مرکز عظیم آباد ٹپہ کو قرار دیا تفصیل سیرۃ سید احمد شہید حصہ دوم کے باب چہارم میں گزر چکی ہے، اس وقت آپ مولانا ولایت علی کے قوت بازو بن گئے اور خصوصاً بنگال میں آپ نے مولانا کی پوری نیابت

امارت و امامت اصلاح و ارشاد کے پورے فرائض انجام دیے، ہندوستان کی عام اور صوبہ بنگال کی خاص تنظیم کے جو محیر العقول واقعات، مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیم کے ماتحت اور جہاد و سرفروشی کی جو ولولہ انگیز حکایات سرحدی جنگوں کے سلسلہ میں گزر چکی ہیں، ان میں مولانا عنایت علی غازی کا خاص دخل اور حصہ ہے، سرحد پر عرصہ تک اسلامی فوجوں کے قائد اور جماعت مجاہدین و مہاجرین کے امیر آپ ہی رہے، سید ضامن شاہ کو کاغان میں اور اکبر شاہ کو سوات میں مدد دیتے رہے، آپ کا وجود حکومت کی نظر میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا، اور حکام کی رپورٹوں اور انگریز مصنفین کی تاریخوں میں آپ کا نام مولانا ولایت علی علیہ الرحمۃ کے نام کے ساتھ آتا ہے۔

(از افادات مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری)

سید عبدالباقی رائے بریلوی، سید صاحب کے بنی اعمام میں سے تھے۔ ذی علم و وقار، صاحب ہمت، سخاوت و ہیشا

سید عبدالباقی رائے بریلوی

بخاکش، زاہد و عابد، فارسی و اردو کے شاعر، مصحفی اور مرزا قاتل کے شاگرد، بزرگوں اور علماء کے اور شعرا کے صحبت یافتہ، رائے بریلی کے روسا اور دربار اودھ کے عہدیداروں میں سے تھے، جماعت و تلاوت کے بیدار پند، ۹۰ برس کی عمر میں ۱۲۹۳ھ میں انتقال کیا، آپ کے دو صاحبزادے تھے، سید عبدالوہاب خلیفہ مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی اور سید عبدالقادر۔

مولوی عبدالقدوس کشمیری، سید عبدالشہ ولد بہادر علی، مولوی عبدالشہ نباری، مولوی عبدالکلیم ساکن بمبئی، مولوی عبدالشہ، شیخ محمد عمر مفتی مکہ مکرمہ، سید عقیل، عمر بن عبدالرسول محدث، عبدالرزاق دیوبندی، سید عبدالرحمن سیالوی، عباد اللہ مسو، سید عبدالرحمن سندھی، عبدالباقی خاں قندھاری، عبدالجبار مورانوی، عبدالمجید خاں جہاں آبادی رائے بریلوی، علی حسن گتنوی،

—(غ)—

راپور وطن، عالم باعمل، علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور شہر کے اکثر علماء و اساتذہ کے استاد تھے، صاحب اجازت شیخ اور پیر طریقت تھے، سید صاحب

مولانا غلام جیلانی

کی تشریف آوری رامپور سے پہلے آپ نے مراقبہ میں دیکھا کہ آفتاب شہر کے ایک دروازہ سے داخل ہوا، اور دوسرے دروازہ سے نکل گیا، آپ نے اس کی صورت دیکھی اور زیارت کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد ہی حضرت سید صاحب کی تشریف آوری ہوئی اور آپ اسی دروازہ سے داخل ہوئے، آپ نے اپنے خواب کی یہی تعبیر لی ماضی کا ہجوم و ازدحام تھا، آپ بھی تشریف لائے، تعبیر کو خواب سے مطابق کیا، بتایا نہ بیعت کی، ۱۵ دن حضرت کارام پور میں قیام رہا، مولانا نے اس عرصہ میں وہ فوائد باطنی حاصل کیے جو دوسروں کے لیے بڑی مدت میں بھی مشکل ہیں، آپ کو حضرت کے ساتھ بے انتہا اعتماد تھا، باوجود علم و فضل مشیخت و کبر سنی کے سید صاحب کے تشریف لے جانے کے وقت آپ کے رکاب میں پیادہ پا دوڑتے تھے، سید صاحب منع فرماتے تو آپ تعمیل حکم میں کھڑے ہو جاتے اور زار و قطار روتے اور کہتے کہ اے کاش جوانی کی قوت ہوتی تو رکاب عالی میں برابر دوڑتا رہتا۔

(وصیائے وزیری)

حکیم غلام سبجانی جھنجھانوی

حضرت شیخ غلام علی صاحب قصبہ مہر ڈہ میں پیدا ہوئے اور بعد شہادت یہیں مدفون ہوئے، شیخ صاحب کا مکان جو کوٹ

شیخ غلام علی رئیس عظیم الہ آباد

گڈھی کے نام سے مشہور تھا بطور ایک مضبوط قلعہ کے تھا وہ بالکل سمار ہو چکا ہے، صرف ایک نچتہ حمام باقی ہے، جہاد پنجاب کے موقع پر روپیہ کی فراہمی اور مجاہدین کی روانگی کا انتظام شیخ صاحب کے متعلق تھا خبر سانی و آمدورفت میں موجودہ آسانیاں نہ ہونے کے باوجود اورنگ آباد، ڈھاکہ جیسے دور دراز مقامات سے شیخ صاحب کے تعلقاً قائم تھے، روپیہ و اسلحہ میں جو کمی ہوتی تھی، جس طرح ہوتا تھا وہ اپنے پاس سے پوری کرتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنی کل دولت، علاقہ، مکان مسکوئے تک اس جہاد میں قربان کر دیا، جزاہ اللہ خیر الجزا، گڈھی جس میں نہایت عالیشان نچتہ مکانات تھے، ایک لاکھ روپیہ قرض میں مکفول تھی، شہادت کے کچھ عرصہ کے بعد الہ آباد سے مہاجن آیا اور جس قدر لکڑیاں وغیرہ تھیں، کھدوا کر الہ آباد لے گیا اور گڈھی کو ایک کھنڈیل کی صورت میں چھوڑ گیا، خیریت یہ ہوئی کہ گڈھی کے نیچے جس قدر فیل خانے و مٹیل تھے وہ بار کفالت سے محفوظ تھے، ان کی اولاد نے انہی

میں سکونت اختیار کی، جائداد کا بیشتر وہی حصہ ان کی اولاد میں باقی رہا جو عورتوں کے نام تھا۔

اللہ آباد میں پندرہ روز تک شیخ غلام علی نے سارے قافلہ کی دعوت کی۔ شیخ صاحب ایک ہزار روپے روزانہ دعوت قافلہ پر خرچ کر کے عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر کھلاتے تھے، وہ کھانا بھی اس کثرت سے آتا تھا کہ صد مسکین اللہ آباد کے پندرہ روز تک قافلہ کے ساتھ ہی کھاتے رہے، اللہ آباد تک پہنچنے میں تعداد مردان قافلہ کی سات سو ہو گئی تھی، شیخ غلام علی صاحب نے تیرہ عدد خیمے اور بہر ایک حاجی کے واسطے ایک ایک جوڑہ پارچہ احرام اور بہر ایک اہل قافلہ کے واسطے ایک ایک روپہ نقد اور حضرت کے قرابت داروں کے واسطے دس دس روپہ نقد اور خود حضرت کے واسطے چار ہزار پانچ سو روپہ نقد نذر کیے۔

شیخ صاحب کے تقویٰ و طہارت کے متعلق لکھنا غیر ضروری ہے، یہی کافی ہے کہ حضرت سید صاحب کے مخلص مریدین میں سے تھے۔ مرید ہونے کے بعد انھوں نے ہمیشہ مٹا کپڑا استعمال کیا اور بغیر بستہ بچکے کھلی چارپائی اور چھوٹی چارپائی پر کہ پیر نہ پھیلائے جا سکیں، سونے لگے، بعد ختم جہاد پنجاب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ شوق شہادت میں ہر وقت سرشار نظر آتے تھے، بار بار اس کا ذکر فرماتے تھے، ایک روز کہنے لگے کہ تمنا پوری ہوئے کا وقت آ گیا کفار کی چند منظم جماعتیں جو ہمہ وقت شیخ صاحب کی تاک میں رہتی تھیں جب مقابلہ ہوا مغلوب ہوئیں، جس دن شہادت ہوئی ہے، ہاتھی منگوا یا اور فیلبان کو ساتھ لے کر خلافت معمول تنہا۔ وانہ ہوئے۔ اللہ آباد، بنارس کے ماہین کفار سے معرکہ ہوا، پہلے فیلبان پھر آپ شہید ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہاتھی لاش لے کر روانہ ہوا، گڈھی کے چنگ پر آ کر چنچا، سب پہنچ گئے، لاش اتاری گئی، ہاتھی بھی اسی وقت اسی جگہ مر گیا، گڈھی کے متصل پھلواڑی قبرستان میں ایک دفن کیا گیا، قریب ہی ہاتھی بھی ایک کھیت میں دفن ہے، آپ کی قبر پر نہ عمارت ہے نہ چاروں طرف کوئی اعاطہ ہے، خام قبر سطح زمین سے کسی قدر بلند درخت نیم سے متصل کچھم کی طرف واقع ہے۔

۱۔ از افادات حضرت صاحب (مرفوضہ ضلع اللہ آباد) کے از اولاد دختر شیخ غلام علی صاحب۔ لے سوانح احمدی

۲۔ از افادات حضرت صاحب (مرفوضہ ضلع اللہ آباد) کے از اولاد دختر شیخ غلام علی صاحب۔

غلام نبی خاں

—(ف)—

مولانا فتح علی مولانا فتح علی، جو نپور کے رہنے والے، شہر کے سربر آوردہ علماء میں سے تھے، سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ نے نام بدل کر عبد القدوس کر دیا، آنکھیں جاتی رہی تھیں مگر نور باطنی کا شوق کشاں کشاں جون پور سے تکیہ لایا، سید صاحب نے حاجی احمد صاحب کے سپرد کر دیا، آپ نے ان سے فائدہ اٹھایا لیکن شوق اس سے زیادہ چاہتا تھا، ایک مرتبہ سید صاحب مکان میں داخل ہو رہے تھے کہ از خود رفتہ ہو کر آپ کا دامن پکڑ لیا اور عاشقانہ شعر پڑھا، آپ نے فرمایا کہ اب تم میرے حلقہ میں بیٹھا کرو، اللہ تعالیٰ آرزو پوری کر دے گا، چند دنوں میں بڑے بڑے منازل سلوک طے کر لیے اور مرجع طالبین بن گئے، طالبین کی صلاح و ترقی باطن میں ہمیشہ کوشاں رہتے۔

مولوی فرحت حسین آپ کی ولادت ۱۲۲۶ھ میں ہوئی، آپ کو اپنے والد اور اپنے برادرِ معظم سے تلمذ و سند تھی، آپ حافظ و قاری بھی تھے، مولانا ولایت علی کے حضر میں نائب اور بعد میں

ملک افغانستان آپ کے جانشین ہوئے اور آپ ہی مرجعِ انام رہے۔ اہم معاملات آپ ہی کے زیرِ فرمان تعمیل پاتے، شرق و غرب کی باگ آپ کے ہاتھ میں تھی۔ تدابیر و امور میں آپ کی فراست مشہور تھی، نہایت فہیم و حلیم و متواضع اور کریم النفس و مہماں نواز، صابر و شاکر تھے، بذلِ اموال میں اپنے بھائیوں کے مثل تھے، یاد الہی کا شوق تھا۔ صبح میں لوگوں کو مقاماتِ لطائف و آدابِ مراقبہ تعلیم فرماتے اور بعد ظہر درسِ قرآن و احادیث دیتے، آپ عارفِ کامل تھے، شب سے شنبہ عام و عنید کے لیے مقرر تھی، رمضان مبارک کے آخر عشرہ میں حسبِ معمول بڑے حضرت، شبِ آخر میں نماز تراویح پڑھاتے (اور قبل کے دو عشرے میں حکیم ارادت حسین نماز تراویح پڑھاتے) مرد و زن کا بڑا مجمع ہوتا، آپ فنِ حرب میں ماہرِ کامل تھے اور شنواری میں بھی کمال تھا، زہد و تقویٰ آپ کا شعار تھا، اپنی اولاد کی شادیاں غایتِ سادگی سے انجام دیں۔ ۱۶ جمادی الثانی ۱۲۶۳ھ میں آپ داخلِ خلد بریں ہوئے، مولانا عبدالرحیم صاحب، صاحبِ درِ منشور اور اسیرِ زندین

آپ کے صاحبزادہ تھے۔ (از افادات مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری)

مولوی فخر الدین سہارن پوریؒ

مولانا محمد فصیح غازی پوری مشہور صاحب سلسلہ مشائخ میں سے ہیں۔ عمر کا ایک حصہ کشتی و پہلوانی میں صرف کیا، پھر سید صاحب کے تعلق و اثر سے

مولانا فصیح غازی پوریؒ

علم اور طریقت کی طرف متوجہ ہوئے، مولانا محمد علی سے بیعت تھی۔ (نزہہ)

مولوی میاں فضل سیالکوٹیؒ۔ فہیم خاں حسین پوری بڈھانویؒ

— (ق) —

مولوی سید قاسم نصیر آبادیؒ۔ مولوی حافظ قطب الدینؒ

— (ک) —

آپ کی ولادت ۱۸ محرم ۱۲۱۵ھ کو شہر جونپور محلہ ملا ٹولہ میں ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب ۳۵ واسطوں سے حضرت خلیفہ اول سیدنا

مولانا کرامت علی جونپوریؒ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ ابتدا ہی سے ذہین وزیرک تھے، اس لیے جملہ علوم و فنون کو بہت کم عمری میں کامل طور سے حاصل کر لیا تھا، چنانچہ بیس برس کی عمر میں آپ نے فقہ کی ایک مختصر کتاب مفتاح الجنتہ تصنیف فرمائی، جس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ بقول ایک بزرگ اُس کا ترجمہ اٹھارہ زبانوں میں ہو چکا ہے اور سیکڑوں بار مختلف مطابع میں اس کو طبع کیا گیا، آج گھر گھر میں مفتاح الجنتہ موجود ہے۔

مولانا مرحوم کے والد فارسی کے ماہر اور کتابت میں اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے۔ مولانا کی

تحصیل علوم

ابتدائی تعلیم ان کے والد نے پدرانہ شفقت کے ساتھ فرمائی، پھر دیگر اساتذہ اور شاہیر علم

مولانا آواز پا کر فوراً پلٹے، اُن کی حالت دیکھی، واقعہ سنا، مولانا نے اپنے دستِ حق پرست کو خاں صاحب کے بازو پر پھیرا، ہاتھ اُسی وقت نیچے کو اتر آیا، خاں صاحب ہمیشہ کے لیے تائب ہو کر آخر عمر تک پابندِ صوم و صلوات رہے۔ آپ کو جہادِ بالسیف کا از حد شوق تھا، چنانچہ اسی شوق میں آپ نے فن سپہ گری و شیرازی سفرِ بنگال کو محنت سے حاصل کیا تھا، جب آپ کے مرشدِ برحق نے جہاد کے لیے روانگی کا قصد کیا، تو

مولانا مرحوم نے بھی آمادگی ظاہر کی، حضرت سید صاحب نے بذریعہ کشف معلوم کر لیا تھا کہ اس شخص سے خداوندِ کریم کو کوئی اور ہی کام لینا منظور ہے۔ حضرت سید صاحب نے آپ کو اس کو مشورہ نہیں دیا بلکہ جہادِ باللسان کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ تم سے خدا کو وراثتِ نبوی اور تبلیغِ دین کا کام لینا منظور ہے اور تمہارے اندر اس کی استعداد و بعیت فرمادی ہے، تمہارے لیے یہ تبلیغی کام جہادِ اکبر ہے اور تمہاری زبان و قلم میری ہدایت کی توسیع اور ترجمانی کریں گے۔ ٹھیک اُسی زمانہ میں ملک بنگال کی گمراہی اور بے دینی اپنے شباب پر تھی، بے شرع پیروں، شجذباز فقیروں اور جوگیوں کا دور دورہ تھا، مسجدوں میں مولیٰسی باندھے جاتے تھے، پردہ نام کو بھی نہ تھا، ہندوانہ مراسم ہر تقریب و تہوار میں برتے جاتے تھے، علاوہ لوگوں کی شکل و شبہت کے نام بھی ہندوانہ ہوتے تھے، سترِ عورت اور لباس کی کوئی قید نہ تھی، اکثر لنگوٹی ہی میں بسر کرتے تھے، اُس وقت بنگال ہر طرح کی تاریکی میں گھرا ہوا تھا۔ مولانا دکر امت علی صاحب نے اپنے رسالہ مکاشفاتِ رحمت میں اس حالت کا نقشہ کھینچا ہے :

” اور مسلمان ہو کے ہندوؤں کے تہوار ہولی دیوالی بسنت وغیرہ میں خوشیاں کرتے، عوام لوگ ہولی میں جو کرتے تھے سو کرتے تھے جو لوگ اشراف کہلاتے ہیں اُن کے قوم سُسرال کے رشتے والے عورت مرد میں ہولی کھیلنے کا رواج تھا اور دیوالی میں عوام لوگ جو کرتے تھے سو کرتے تھے جو اشراف لوگ تھے وہ بھی دیوالی کی تہواری میں چڑاٹھانی اپنے سمدھیانے بھیجتے تھے اور ایسے لوگوں کو لوگ بُرا نہ جانتے تھے اور دیوالی میں روزِ ضرور جو کھیلتے تھے اور کتے تھے کہ آج جو شخص جو انہ کھیلے گا اُس کا پچھوندر کا جنم ہوگا اور بعضے غافل دین کے مخالف نادانوں میں مُرشد کہلاتے تھے وہ ہندوؤں کے تہوار بسنت میں

بڑے اہتمام کے ساتھ محفل آراستہ کرتے تھے اور اس میں اس قدر خرافات کرتے تھے۔
 کہ اُس کا دسواں حصہ بھی ہندو لوگ نہ کرتے اور بعضے نادانوں گمراہوں نے راہبوں اور
 جوگیوں اور گوشائیوں کی چال کو رسول مقبول کی چال اور حکم سے زیادہ پسند کر کے اور اُس کو
 درویشی سمجھ کے نکاح کرنے کو ترک کیا اور اس گناہ پر ایسا اڑ گئے کہ جو ان کی گدی پر ہوتا ہے
 وہ نکاح نہیں کرتا باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نکاح کرو تم لوگ اور
 اولاد جنو، اس واسطے کہ میں فخر کروں گا، بسبب تمہارے اور اُمتوں پر کہ میری اُمت میں
 اتنے لوگ ہیں ہاں اگر ایک شخص اتفاقاً نکاح نہ کرے تو اُس کے حق میں تاویل کی گنجائش ہے
 اور جب نکاح نہ کرنے کو اپنے طریقہ کی نشانی اور پہچان مقرر کیا ہے سوائے مخالفت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم اور کیا فتویٰ دیا جاوے گا اور بہت لوگ کلمہ طیب کے معنی نہ جانتے تھے۔
 اس سبب سے شرک میں گرفتار تھے اور نماز روزے اور حج اور زکوٰۃ اور قربانی اور صدقہ فطرہ
 ادا کرنے سے مطلق غافل تھے اور جمعہ اور جماعت اور عیدین کو مطلق چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ
 بعضے لوگ بڑھے ہو گئے تھے اُن کو وضو بھی نہ آتا تھا، توبہ کرنے کا خیال مطلق نہ تھا، اُن میں
 ڈاڑھی منڈانے کا رواج تھا اور بعضے لوگ ایسے بیہوش تھے کہ مسلمان ہو کے ڈاڑھی منڈانے
 چرکی رکھائے رہتے تھے کہ پہچان نہ پڑتے تھے کہ ہندو ہیں یا مسلمان اور ان میں روزے،
 نماز کا تو کیا ذکر ہے، اور بعضے لوگ روزہ بھی رکھتے تو افطار اور سحر کے وقت سے بڑے
 غافل تھے، صبح صادق میں کھاتے پیتے تھے اور اس ملک کے بہت لوگ نمود کے واسطے
 سیکڑوں روپے مردوں کے کھانے اور دوسرے واہیات و خرافات میں خرچ کرتے تھے،
 اور زکوٰۃ و صدقہ فطرہ، اور اپنے مردے کی طرف سے روزے نماز کا فدیہ نہ دیتے اور نہ دینے
 کا ارادہ رکھتے اور جیسے لوگوں کا دینا صدقہ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کھلانا ہے، ویسے
 لوگوں کو نہ دیتے، اگر کسبیوں کو یوں کو ایک روپیہ دیتے تو محتاج نمازیوں کو دو آنہ دینا

مشکل گزرتا:

قرآن، حدیث، وعظ و نصائح کا سننا سنانا یکبارگی موقوف ہو گیا تھا قصہ کہانی فہم و فہمور کفر کی باتوں کے سننے سننے میں لوگ گرفتار تھے، اذان کی آواز سن نہ پڑتی، قرآن شریف کا لڑکوں کو پڑھانا بالکل موقوف ہو گیا تھا، اس قدر بے دینی سمائی تھی کہ بعضے کعبت کتے تھے کہ قرآن شریف پڑھانے سے کیا فائدہ، فارسی پڑھیں جو خط و کتابت آوے اور بعضے کعبت شیطان کی تعلیم سے کہتے تھے کہ لڑکوں کو طہارت کا لحاظ نہیں رہتا، ہر وقت بے وضو قرآن شریف چھوا کریں گے، اس واسطے لڑکوں کو قرآن شریف پڑھانا نہ چاہیے اور حافظ لوگ یکبارگی نایاب ہو گئے تھے، بڑے بڑے شہروں میں تراویح کا ختم میسر نہ ہوتا تھا اور نماز کی عظمت لوگوں کے جی سے باہل جاتی رہی تھی، یہاں تک کہ بے نمازی کو لوگ برا نہ جانتے تھے، نسبت کرنے سے اور کفو غیر کفو اور برادری کے معاملے میں نمازی بے نمازی کا فرق نہ تھا۔ بے نمازی ہونا کچھ عیب نہ تھا، برہمن پوجنا، بت پوجنا، فال کھلانا، اوجھے کے پاس جانا، تاڑی شراب پینا، کچھ عیب نہ تھا۔

اور عورتیں بت پرستی اور پریوں کے پوجے میں کہ حقیقت میں وہ شیطان پرستی تھی اور چیمپک کے پوجنے میں اور سواپہر کے روزہ رکھنے میں کہ حقیقت میں وہ ہندوؤں کے بت کی صورت تھی، گرفتار تھیں، شادی غمی کی واہیات رسموں سے خوب واقف تھیں، روزے، نماز، حیض نفاس کے مسئلہ سے بالکل غافل تھیں، اور اس ملک کی عورتوں کو کپڑا پہننے میں پردے کا لحاظ مطلق نہ تھا۔ بعضے قوم کی عورتیں پانی بھرنے وغیرہ کاموں کے واسطے جس بدن کا چھپانا فرض ہے اس بدن کو بے لحاظ کھولے ہوئے باہر نکلتی تھیں اور جو اشراف کہلاتے ہیں ان کی عورتیں باہر تو نہ نکلتی تھیں مگر کپڑا بے لحاظ پہنتی تھیں اور باوجودیکہ مردوں کو ناف سے زانو تک چھپانا فرض ہے اور کرتہ، جبہ، پانجامہ اور ٹوپی مع عمامہ اور تہ بند

چادر سنت ہے اور عورتوں کو سارا بدن چھپانا فرض ہے سومر و نیمہ جامہ، انگرکھا، قبہ
 کرتا جبہ وغیرہ لباس خوب ٹھٹھ کے پہنتے تھے اور عورتیں پانچ جامہ چادریا اور ہنسی اور ذرا سی
 کرتی بازو کھلا، پیٹ کھلا پہنتی تھیں اور بعض قوم کی عورتیں رات کو میلوں میں جاتی تھیں،
 اور بعض قوم کی عورتیں دن کے میلوں میں بھی، خصوصاً چھڑیوں کے میلوں میں بن ٹھن کے
 دکھلاتی پھرتی تھیں: لہ

ایسے ملک میں ہدایت و تبلیغ کرنا جہاد اکبر تھا، حضرت سید صاحب فرما چکے تھے، مرشد برحق نے اپنے
 مخلص مرید کو اشارہ ہی اشارہ میں اس کو سمجھا دیا تھا، حضرت سید صاحب کی یہ ایک بہت بڑی روشن کرامت تھی کہ
 مولانا کو بنگال میں تبلیغ کا اشارہ فرما کر اہل بنگال کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا دیا۔

حضرت مولانا جو پور میں تبلیغی کام کو ایک حد تک پورا کر چکے تھے، جامع مسجد کو اوباشوں سے پاک کر کے
 جمعہ و جماعت قائم کر چکے تھے، اب اپنے مرشد برحق کے اشارے سے عازم بنگال ہوئے اور جو پور سے کلکتہ پہنچنے
 میں تقریباً ایک ماہ صرف ہو گیا، کچھ روز کلکتہ میں قیام فرما کر تبلیغی کام سے فارغ ہو کر بنگال و آسام کا دورہ بذریعہ
 کشتی شروع کر دیا، اُس وقت ریل و جہاز کی سہولتیں جیسی آج ہیں نہ تھیں، ہزاروں طرح کی دقتیں اور مشکلیں حائل تھیں
 سب کام روانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اکاؤنٹ برس تک تبلیغ دین اور اعلا کلمۃ اللہ کرتے رہے، ردِ شرک و بدعت، صبح
 سے شام تک کا مشغلہ تھا، ارکان اسلام کا لوگوں کو پابند کرایا، جا بجا مدرسے قائم کیے، خود اپنے ہمراہ سفری مدرسے قائم
 کر کے ملکی لوگوں کو تعلیم دی، طلباء کے اخراجات خود برداشت کرتے رہے، چونکہ آپ بوٹ پر سفر کرتے تھے اس لیے
 ایک بوٹ مدرسہ کے لیے بھی تھا، اُس مدرسہ سے جو فارغ ہو کر نکلے وہ خود ایک زبردست مبلغ ثابت ہوئے، بنگال
 کے گوشہ گوشہ میں اُن لوگوں نے مولانا کی ہدایت کے مطابق دین کی بڑی خدمت انجام دی۔

مولانا نے اپنے ایک رسالہ "اطمینان القلوب" میں اپنی اُن کوششوں اور محنتوں اور اُن کے نتائج کا مختصر

مگر پراثر انداز میں تذکرہ فرمایا ہے، بنگال میں جب اُن کے مخالفین نے اپنی سرگرمیاں شروع کیں تو ایک موقع پر اہل بنگال کو مخاطب کر کے فرمایا :

”اس فقیر نے دین جاری کرنے میں جس قدر کوشش کیا ہے اور تکلیفیں اٹھایا ہے اور اپنی جان کو سبھیلی پر رکھ کے ملک ملک پھرتا رہا ہے اور قرآن شریف لکھ کر اور تجارت کر کے اپنا خرچ چلاتا تھا، یہاں تک کہ سفر سے آ کے سواری کا خرچ قرض لے کے ادا کرتا تھا اور جس مقام میں جاتا تھا وہاں اکثر مقام میں جان کا خوف رہتا تھا اور فقیر اس وقت میں ہتھیار بند رہتا تھا، تم لوگوں نے دیکھا ہے یا اپنے دادے سے باپ سے سنا ہوگا اور اب کیسا میدان صاف ہو گیا ہے جو چاہے آنکھ موندے ان مقاموں میں چلا جاوے، ضیافت بھی کھاوے اور نقد بھی پاوے، سواب ان مقاموں میں دین میں فساد برپا ہونے کو یہ فقیر کس طرح برداشت کر سکے“ لے

تصنیفات میں : مفتاح التجتہ، زینۃ المصلی، زینۃ القاری، زاد التقوی، اللوکب الدرہی، الدعوات المسنونہ شرح البحرزری، نور الہدی، رفیق الساکین، فیض عام، مکاشفات رحمت، قوت الایمان، نسیم الحرمین، نور علی نور، قول الثابت، مراد المریدین، ملخص، اطمینان القلوب، ترجمہ شمائل ترمذی، ترجمہ مشکوٰۃ شریف، استقامت، رد المفسدین۔ آپ کا انتقال حالت سفر میں شہر رنگ پور میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں ہوا، آپ کے دو صاحبزادے تھے، مولانا حافظ احمد صاحب اور مولانا حافظ عبدالاول صاحب تصانیف کثیرہ۔ لے

کریم بخش بڈھانوی۔ محمد کمال خرم پوری

—(ل)—

مولوی شاہ لطف اللہ سلوٹوی

—(م)—

سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادی

سید صاحب سے خاندانی تعلق تھا، درسی کتابیں اسانڈہ لکھنؤ سے پڑھیں، پھر شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ

و تکمیل کی، سید صاحب سے بیعت کی اور عرصہ تک ساتھ رہے، پھر درس و افادہ کی طرف متوجہ ہوئے، مولانا سید عبدالعلیٰ نصیر آبادی اور مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی نے آپ سے درسیات پڑھیں، مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی آپ ہی سے بیعت اور صاحب اجازت ہیں، جو سید صاحب کے سلسلہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے بشرتی ضلع میں آپ سے بڑا فیض پہنچا اور بہت بڑے پیمانہ پر عقائد و اعمال کی اصلاح اور شرک و بدعات کا ازالہ ہوا۔

یکم شعبان ۱۲۳۶ھ کو بعارضہ فالج شہ سال کی عمر میں انتقال کیا اور نصیر آباد میں مدفون ہوئے۔

سید صاحب کے نہایت معتمد اور شکر کے ممتاز علماء میں سے تھے مولوی سید جعفر علی منظورہ میں لکھتے ہیں "مولانا محمد اسماعیل و مولوی محمد حسن رامپوری بجائے

مولوی محمد حسن رامپوری

وزیر پنجاب بودند" (ص ۵) دوسری جگہ لکھتے ہیں "مولوی محمد حسن رامپوری کہ در خاکساری و عجز و علم و حلم و قناعت بعد مولانا محمد اسماعیل نظیر خود نداشتند" (ص ۷) آپ ہی نے مولوی سید محبوب علی صاحب دہلوی کو مسکت جواب دیا اور قتال و جہاد کا فرق سمجھایا۔ رامپور شہیداں کے رہنے والے تھے، پھولڑہ کی لڑائی میں شہید ہوئے (منظورہ)

آپ بگھرہ ضلع منظرنگر کے رہنے والے تھے، آپ کی عمر سو سے تجاوز تھی، ۱۳۱۲ھ تک بقید حیات تھے، راقم سلور کے والد مرحوم کے ۱۸ شعبان

مولوی محمد حسین ساکن بگھرہ

۱۳۱۲ھ کو ننگلہ (قریب بجنور) میں آپ کی زیارت کی۔ "ارمغانِ اجاب" میں اپنی ملاقات کا حال لکھتے ہیں:

"میں جس وقت پہنچا وہ لیٹے ہوئے تھے، نتیجہ مسنونہ کے بعد میں نے ان ہاتھوں سے مصافحہ کیا جس نے بلا واسطہ ہمارے حضرت امیر المومنین سیدنا روح اللہ روح کے ہاتھوں سے مصافحہ کیا تھا، تعارف کے بعد مجھ سے فرمایا کہ آپ یہاں کیوں کر پہنچے؟ میں نے سب قصہ بیان کیا، بہت خوش ہوئے، کہنے لگے اچھا ہوا میں نے بھی آپ کو دیکھ لیا، میں نے پوچھا کہ آپ کی کیا عمر ہے، کہا ایک سو دس برس کی ہو چکی ہے، یہ گیارہواں سال ہے، میں نے کہا کہ حضرت سید صاحب سے کہاں نیاز حاصل کیا تھا، فرمایا بکھرہ میں میرے بھائی مولوی علاء الدین صاحب کے پاس تشریف لائے تھے، میں نے کہا، کئے دن رہے تھے فرمایا مجھے یاد نہیں کئے دن رہے تھے، خاص غریب خانہ پر فروکش تھے، میں نے کہا کہ آپ کتنے دن ہمراہ رہے، کہا بہت دنوں جنگ میں شریک تھا بعد اختتام جنگ کے واپس آیا میں نے کہا کہ آپ سلسلہ میں لوگوں کو داخل کرتے ہیں، فرمایا کہ صرف مجھ کو اسی قدر اجازت ہے کہ میں مرید کر لوں اور خدا کا نام سکھا دوں۔

افسوس ہے کہ اب کبرسنی کی وجہ سے بہت ہی مغلوب النسیان ہو گئے ہیں، دم بھر میں بات بھول جاتے ہیں، نقل و حرکت سے بھی معذور نہیں، چارپائی پر تہیم کے ساتھ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لیتے ہیں مگر سماعت و بینائی میں کچھ فرق نہیں ہے، بہت سچے اور مخلص آدمی ہیں، اپنے پیر کا دم بھرتے ہیں، کہنے لگے کہ میں نے سچا تسہزار آدمی ایک جگہ دیکھے مگر اس شان کا آدمی نہیں دیکھا جیسے حضرت تھے۔

دن بھر میں انھیں کی خدمت میں رہا، شب کو انھیں کے قریب سویا۔ دو بجے شب

کو میری آنکھ کھلی، دیکھا تو تہجد پڑھ رہے تھے۔"

والد صاحب مرحوم مولوی محمد حسین صاحب کے مزید حالات و اخلاق ان کے ایک مرید حافظ عبدالکریم صاحب

کے واسطے سے بیان کرتے ہیں :

”میں نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ میاں صاحب کے سلوک کا کیا طریقہ ہے
 کہا کہ صرف ذکر لسانی کے طور پر بارہ تسبیح کی حضرت تلقین فرماتے ہیں، لیکن اس کے استعمال
 اور مداومت سے خود بخود انوار و برکات نمایاں ہوتے ہیں، توجہ ڈالنے کی ان کی عادت
 نہیں ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ یہ مجھ کو نہیں آتا، اتباع سنت اور مضہم نفس پر دار و مدار طریقہ
 کا ہے، حُتّٰبِ جاہ سے گھبراتے ہیں، مشیخت کی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، بے تکلفی سے
 جو دعوت کرتا ہے اس کو قبول فرماتے ہیں، مُریدوں کی بھٹی بھار آگے آگے چلنے سے منع
 کرتے ہیں، اندھیری رات میں چپکے اُٹھے اور مسجد چلے گئے، لالین ساتھ ہونے اور مریوں
 کے پیچھے چلنے سے بہت گھبراتے ہیں“۔ لہ

جناب کی ولادت ۱۲۳۶ھ میں ہونے اور تلمذ و بیعت آپ کو اپنے علم محترم
 شاہ محمد کریم سے تھی، آپ میں زہد و تقویٰ ابتداً عمر سے تھا، جب حضرت مجدد

شاہ محمد حسین عظیم آبادی

وارد پٹنہ ہوئے تو باجائز عم مُرشد مع اہلیہ و دختران حضرت ممدوح سے شرف بیعت ثانی حاصل کیا اور ہمہ دم تاقیم
 حضرت مجدد حاضر باش رہے، حضرت مجدد نے آپ کو سند خلافت عطا کی جس کی نقل جناب کے قلمی نسخہ صراطِ مستقیم
 کے آخر میں مرقوم ہے، بیعت کے وقت سے اپنے صوبہ کے لوگوں کی ہدایت و ارشاد میں نہایت سرگرم رہے، شرک و
 بدعت کے خلاف جہاد اور احیاء سنت میں سعی بلیغ فرمائی اور لاکھوں آدمیوں کو صراطِ مستقیم پر لگا دیا۔ نمونہ ہیکہ جامع مسجد
 کی آپ ہی نے صرف کثیر سے توسیع فرمائی، آپ کے مریدان بیاپور، دانا پور اور فتوح سے سمٹ کر شریک جمعہ ہوتے، بعد
 نماز جمعہ آپ کا وعظ ہوتا، نہایت عام فہم اور با اثر اور دوسرا وعظ شب کو زمانہ مکان میں فرماتے، جس میں دُور و نزدیک
 سے عورتیں جمع ہوتیں، مہر موقع وعظ میں نفضل الہی مسترشدین کا اضافہ ہوتا رہتا، آپ کی اہلیہ محترمہ بھی امور دینی میں آپ کی

مؤید رہتیں۔ "اصلحنا لہ زوجہ انہم کانوا یسارعون فی الخیرات" اللہ آپ کا دل جذبہ دینی سے معمور تھا، طبیعت نہایت ذکی اور سریع الفہم تھی، آپ صاحب مروت و خلق عظیم تھے، اربع سنت کا از بس خیال تھا، اپنی صبیحہ خرد و سمانہ شریفین کا بغرض تعمیل و انکحوا الایاحی منکم، مولانا عنایت علی سے عقد ثانی کر دیا، آپ کو شعر و سخن سے بھی ذوق تھا، تخلص ہاشمی کرتے، اسپ سواری اور فن سپہ گری میں مہارت تامہ تھی ۱۲۶۶ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ (از افادات مولوی عبدالغفار صاحب صادق پوری)

محمد زماں خاں ابن وزیر خاں لوہانی پور۔ مولوی محمد عظیم پشاوری

مولوی سید محمد علی، سید صاحب کے بڑے بھانجے مولوی سید عبدالسبحان کے صاحبزادہ اور مخزن احمدی کے مصنف ہیں، عالم و شاعر اور فارسی کے اچھے منشی تھے، آزاد منش، بے تکلف طبیعت پائی تھی، نواب وزیر الدولہ مرحوم کا سخت اصرار تھا کہ آپ کوئی عہدہ قبول فرمائیں، آپ نے باصرہ چھاپس و پیراہور قبول فرمائے ۱۲۶۶ھ میں ٹونک میں انتقال کیا۔ آپ کے صاحبزادہ بخشیشی الملک سید نور الدین خاں بہادر بہت جنگ تھے۔

مولانا محمد علی رامپوری، مولانا محمد علی صدر پوری ملیح آبادی، شیخ محمد علی ہندی مدرس مکہ معظمہ شیخ محمد عمر مفتی مکہ مکرمہ، سید محمد لہاروی، سید محمد موسیٰ، پیر جی محمد شاہ، شیخ مندر و مہم سید پوری

مولانا سید مرتضیٰ حسین لکھنوی، علامہ صاحبین میں سے تھے، لکھنؤ کے رہنے والے تلامذین وغیرہ سے تعلیم حاصل کی، رزیدنس میں ملازم تھے، ایک عرصہ تک کلکتہ میں قیام کیا، نواب سعادت علی خاں کے زمانہ میں لکھنؤ کے مفتی رہے۔ نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ میں سید صاحب کے فرید ہوتے اور آقا سے عیحدگی اختیار کی۔ وفات ۱۲۵۰ھ

مولوی مرتضیٰ خاں رامپوری۔ شیخ مصطفیٰ امام صلیٰ جنفیؒ

سید منظر علی، امیر کبیر سید قطب الدین محمد مدنی کی اولاد سے تھے، ان کے والد کا نام سید اشرف علی تھا جو ایک

مولوی سید شاہ منظر علی صاحب

صوفی فاضل بزرگ تھے۔

شاہ صاحب ابتدا ہی سے نہایت ذکی و ذہین تھے۔ آپ پر تصوف غالب تھا، مدد معاش کے سلسلہ

میں عظیم آباد جانا پڑا اور وہیں ایک معزز عہدہ پر عرصہ تک فائز رہے۔ اسی زمانہ میں حضرت سید صاحب سے ملاقات ہوئی اور آپ سب چھوڑ چھاڑ کر سید صاحب کے ساتھ ہو گئے کہ آپ کی طلب صادق عرصہ سے ایک رہبر کامل کی جو یا تھی، سید صاحب جب حج کو جانے لگے تو آپ بھی ہمراہ تھے، سید شاکر علی صاحب ناظم بنگالہ کو بھی ان بزرگوں کی معیت کا شرف حاصل تھا۔

مکہ معظمہ پہنچ کر سید صاحب نے خاص حرم کے اندر سید شاکر علی صاحب کی دختر کے ساتھ میر منظر علی

کا نکاح کر دیا۔

شاہ صاحب کا میلان طبع تصوف کی طرف تھا، ۱۲۴۰ھ کے بعد آپ گوشہ نشین ہو کر صوفیانہ زندگی

بسر کرنے لگے۔

آپ نہایت زاہد اور متقی بزرگ تھے۔ بیس سال تک مجاہدات نفسی کیے۔ آپ کو پہلے اپنے والد ماجد

کے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھی، پھر شاہ عبدالعزیز صاحب سے بیعت حاصل کی اور آخر تک انھیں کا سلسلہ بیعت قائم رکھا۔

چشتیت کے باوجود مزامیر کے مخالف تھے، اپنے صاحبزادہ سید منظر حسن کو جو وصیت فرمائی ہے،

اس میں لکھتے ہیں :

”مزار را حرام دانی“

۱۲۵۰ھ میں آپ کی وفات بھروالی ضلع الہ آباد میں ہوئی اور زیر درگاہ مولانا اسماعیل قریشی آپ دفن

کیے گئے۔ (افادہ ہادی عظام مرحوم ابن مولانا شاہ حلیم عطابیکے از اولاد دختر سید منظر علی صاحب)

شیخ معظم جگدیش پوری حکیم منغیث الدین سہارنپوری۔ منور خاں ملیح آبادی

محمد مومن خاں نام، مومن نخلص، حکیم غلام نبی خاں کے بیٹے تھے۔ ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے، جب ذرا ہوش سنبھالا تو مولانا شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ سے عربی کتابیں

حکیم مومن خاں دہلوی

پڑھیں، جب استعداد درست ہو گئی تو والد اور چچا حکیم غلام حیدر خاں اور حکیم غلام حسن سے طب کی کتابیں پڑھیں اور انھیں کی زیر نگرانی نسخہ نویسی کی، اسی زمانہ میں نجوم کا شوق پیدا ہوا، اس کو بھی اہل کمال سے حاصل کیا اور مہارت بہم پہنچائی، شعر و سخن سے طبعی مناسبت تھی، عاشق مزاجی نے اسے اور بھی چمکا دیا، ابتدا میں شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھایا پھر ذہن خدا داد کے اطمینان پر اصلاح یعنی چھوڑ دی اور بطور خود مشق سخن کی، رنگین طبع، رنگین مزاج، خوش وضع جوش لباس اور عاشق مزاج آدمی تھے، غزل دردناک، آواز اور دلپذیر ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے، بایں ہمہ دینداری کے خیال سے بھی خالی نہ تھے۔ جوانی میں حضرت سید احمد شہید کے مرید ہوئے اور آخر عمر تک عقائد میں انھیں کے قبیح و پیور رہے، کلیات میں ایک مثنوی جہاد یہ ہے جو اس وقت لکھی تھی جب کہ سید صاحب سکھوں سے جہاد کر رہے تھے علاوہ اس کے دو قطعہ تاریخ ان کی امامت کے ہیں، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے روحانی رشتہ کی بنا پر ٹونک بلایا مگر خاں صاحب سے دلی کی کلیاں کب چھوٹ سکتی تھیں، کچھ سمجھ بوجھ کر معذرت کا قصیدہ لکھ کر بھیج دیا۔ جس کا مشہور مطلع ہے۔

یاد ایام عشرت فانی نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

۱۲۶۸ھ میں اس جامع کمالات ہستی نے باؤن سال کی عمر میں وفات پائی اور میدھپورہ میں دلی

دروازہ کے باہر حضرت شاہ عبدالغفر علیہ الرحمہ کے مقبرہ کے پاس سپرد خاک کیے گئے۔

میاں جی احسان اللہ ڈہلویؒ

—(ن)—

سید ناصر علیؒ (یکے ازامرئے محراب پورسند) مولوی نصیر الدین دہلویؒ (داماد حضرت شاہ اسحق) مولوی نظام الدین دہلویؒ۔ صوفی نور محمدؒ۔

آپ بنگال میں سید صاحبؒ کے خلفاء کبار میں سے تھے، جہاد میں سید صاحبؒ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے جہاد میں زخمی ہوئے، ہندوستان واپس آئے اور تبلیغ و ارشاد کے کام میں مصروف ہو گئے، آپ سے پڑا فیض پہنچا، آپ کا سلسلہ بہت وسیع ہے جس میں بڑے بڑے مشائخ اور اہل کمال پیدا ہوئے۔ آپ کے سلسلہ میں صوفی فتح علی، مولانا غلام سلمانی، مولانا ابوبکر، مولانا سید عبدالباری حسنی صاحب ارشاد اور صاحب سلسلہ بزرگ گزرے ہیں، اس کتاب میں صوفی صاحبؒ کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔ آپ کی قبر میرسرے سے ۵ میل مغرب کی طرف واقع ہے۔ (ازافادات مولوی محمد سعید صاحب عظمیٰ)

مولانا نور محمد جھنجھانوی، شیخ وقت اور مشہور عارف تھے، طریقہ چشتیہ کی تعلیم حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی شہید بالاکوٹ سے لی، لوہاری میں بچوں کو پڑھا کر دستور کمال

۱۔ مولانا ابوبکر صوفی فتح علی صاحب کے خلیفہ تھے، آپ سے بنگال میں تصوف کی بڑی اشاعت ہوئی، جگہ جگہ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے مرید و خلفاء موجود ہیں، بنگال کا اثر حصہ مولانا کے متوسلین میں سے ہے، آپ پھر پھر وہیں مدفون ہیں جو آپ کا وطن بھی تھا۔
۲۔ آپ مقام نلڈانگہ متصل ہوگلی نواح کلکتہ کے رہنے والے تھے، مولانا غلام سلمانی سے خلافت و اجازت حاصل تھی، بڑے صاحب نسبت اور صاحب تاثیر بزرگ تھے۔ آپ کے سلسلہ میں مولوی عبدالاحد صاحب کمنڈوی، مولوی عبدالصمد صاحب اور حافظ حامد حسن صاحب (کنڈا ضلع عظیم گڑھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۶۔ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ کو چالیس سال کی عمر میں سید صاحب نے انتقال کیا اور نلڈانگہ میں مدفون ہوئے۔

رہے، تیس برس تک بکیر تھر یہ فوت نہیں ہوئی۔ حضرت سید صاحب کی سہارنپور میں رونق افروزی کے موقع پر جبکہ آپ کے شیخ حضرت حاجی صاحب نے سید صاحب کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ کو بھی لوہاری سے سہارنپور بلایا اور اپنے روبرو سید صاحب سے بیعت کرایا۔ سید صاحب نے آپ کو اجازتِ طریقہ عطا فرمائی۔ آپ سرحدِ جہاد کے لیے بھی گئے اور پھر آپ کے حکم سے ہندوستان واپس آئے۔ — مریدین میں شیخ العرب و لعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کا نام کافی ہے۔ ع قیاس کن زکلتان من بہار مرا

— (۹) —

مولوی وحید الدین

نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک کے فرزند ارجمند ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۵۰ھ میں باپ کے جانشین ہوئے، سید صاحب جب لشکر گاہ

نواب وزیر الدولہ مرحوم

سے دہلی تشریف لے جانے لگے تو نواب صاحب مرحوم نے سعادت مند اور ہونہار صاحبزادہ کو ہمراہ کر دیا، اس طرح سید صاحب کی صحبت و تربیت کے علاوہ دہلی کے علماء و صلحاء کی صحبت اٹھانے اور ان سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ سید صاحب سے بیعت کی اور اخیر دم تک ان کی روش پر قائم اور ان کی صحبت میں سرشار رہے، سید صاحب نے بالاکوٹ سے نواب صاحب کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان اس خصوصی تعلق و نسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ زمانہ جہاد میں بھی نواب صاحب کے اس تعلق میں فرق نہیں آیا۔ وہ اگرچہ عملی شکر ت و رفاقت نہیں کر سکے لیکن انھوں نے اپنے فرائض ادا کرنے اور خدمات بجالانے میں کوتاہی نہیں کی، بالاکوٹ کے سانحہ کے بعد انھوں نے سید صاحب کے اہل خانہ اور ان اعزہ کو جو سندھ میں تھے نیز ان مجاہدین و مہاجرین کو جنہوں نے ہندوستان واپس آنا منظور کیا اپنے پاس ٹونک بلا لیا اور اہل تعلق کو ہر طرف سے سمیٹنے کی کوشش کی اور ان کی خدمت و اکرام میں کوئی ذقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا اس موقع پر انھوں نے قافلہ کے ذمہ داروں کو جو خط لکھا ہے اس سے ان کے گہرے تعلق، سعادت و تواضع کا اظہار ہوتا ہے، اصل خط یہاں درج کیا جاتا ہے :

”بخدمت اصحاب امام زماں و ارباب صدق و ایقان، صاعدان معارج جزب اللہ

وساعدان سراج انصاری الی اللہ، رہ نوردان صراطِ مستقیم حضرت روف الرحیم واجران
 مایہ تجارت تنجیکم من عذاب الیوم۔ شیخ ولی محمد صاحب مہلتی امام فائدہ مجاہدان
 و شیخ حافظ حاجی وجیہ الدین احمد صاحب باغپتی سالار غازیان و مولوی خیر الدین احمد
 صاحب شیرکوٹی پیشوائے موحدان سلمہم اللہ تعالیٰ۔

از در ماندہ نفس و شیطان، و نادوم از ناخندستی حق کیشان، محمد وزیر خاں
 المخاطب بوزیر الدولہ والی ٹونک۔ بہ برادران مکرم و معظم کہ این تعلق ناشی از خواجہ
 تاشی امام زمان است، بعد از مراسم دعا گوئے اسلامی کہ عبارت از انشائے
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ باشد۔ مدعائے دعوت برادران دینی و آئینی را بزبان
 خانہ ادب طراز با امید منظوری بعرض می رسانم کہ از بد و شعور و فوراشتیاق جہد و سعی
 باعلائے کلمۃ اللہ درون این دل گرفتہ و دلعت نہادہ اند، ازین جااست کہ ہنگام
 رونق افروزی امام زمان حضرت سید احمد صاحب بہ ٹونک در حیات جناب والد بزرگوار
 مرحوم لبشوق ذاتی خود دست بعبیت بذیل آن پاک دامان کردم، چون بسن شعور رسیدہ
 بودم بوجہ انقیاد و اطاعت پدر مہربان بحضور امام زمان تو استم رسیدہ، اکنون درود
 آن حرم لاعلاج است کہ خلوت ذات مقدس آن حضرت از جلوت این عالم بالاتر
 جاگزید مگر توجہ شما برادران طریقیت امید دارم کہ طریق مودت و محبت را بقدم
 اتمنان و احسان پیمودہ این سنگ لایخ مریدان را بشادابی گلزار جہاں رسانند تا
 از حصول سعادت حضوری ذوائے درد دوری جویم و اگر از خدمت امام زمان ک نصیب
 ماندہ ام از زیارت جانشینان آن سرکار عالی سعادت دارین اندوزم یقین کہ با تبارح
 سنت سینہ و شریعت مرضیہ را دعوتم را رد نخواہند فرمود و بعد از رسیدن بریدہ
 سعید زودانہ ہر قدر کہ باشد درین سر زمین تشریف آورده از کلفت

سفر خواہند آسودا

فقط بست وکیم منظر المنظر ۱۲۵۲ھ قادیانی صلی اللہ علیہ وسلم

نقل دستخط

(محمد وزیر خاں)

نواب وزیر الدولہ مرحوم ریاست و امارت کے باوجود اس شان کے آدمی تھے جو خانقاہ نشین مشائخ اور عزلت گزین صوفیوں میں نہیں ملتی، آپ پورے فطرح، طبع سنت، پابند مذہب باخدا اور متواضع مسلمان تھے اور صرف روسا و اُمراء ہی کے طبقہ میں نہیں بلکہ علماء و صوفیہ اور دینداروں کے طبقہ میں بھی ممتاز تھے، سید صاحب اور آپ کی جماعت کے ساتھ تو آپ کو عشق تھا، ان کی خاک پا آپ کے سر کا تاج تھی، ان کی ہر خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، سید صاحب کی اہلیہ ٹونک تشریف لا رہی تھیں، آپ نے حکم دے دیا تھا کہ جب پاکی فلاں مقام پہنچے تو مجھے اطلاع کر دینا، یہ مقام ٹونک سے گیارہ کوس پر تھا، آپ وہاں سے پاکی کو خود کا نڈھا دے کر ٹونک لائے۔ سید صاحب کے ایک حبشی غلام یاقوت نامی تھے، جو آپ کے داماد سید اسمعیل صاحب کی خدمت میں رہتے تھے، نواب صاحب ان کا بہت احترام کرتے، پاکی پر ہوتے اور میاں یاقوت کو دیکھ لیتے تو فوراً پاکی رکھوا دیتے اور فرماتے کہ یاقوت بھائی خیریت ہے، صاحبزادی کا کیا حکم ہے، ایک آدھ مرتبہ تو ایسا ہوا کہ آپ پاکی پر سوار ہیں، میاں یاقوت کو دیکھ کر فوراً اتر گئے اور ان کے لیے دوسری پاکی منگوائی اور جب تک انھیں سوار نہیں کرایا۔ خود سوار نہیں ہوئے۔

سید صاحب کی بیعت و محبت کے اثرات و صایا و زیری کی ہر سطر سے ظاہر ہیں جس میں سید صاحب کا بہت کچھ تذکرہ اور اپنے جانشینوں کو آپ کے اتباع اور آپ کے طریقہ کی اقتدار کی تاکید ہے۔

۱۲۵۶ھ کے واقعہ کے بعد آگرہ میں گورنر جنرل کا دربار ہوا، جس میں حاضری نواب وزیر الدولہ مرحوم

کے لیے خصوصیت کے ساتھ بعض وجوہ سے نہایت ضروری تھی، اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، نواب صاحب نے فیصلہ کر لیا کہ وہ دربار میں نہ شریک ہوں گے، نواب یوسف علی خاں والی رامپور اور سکندر بیگم بیسہ بھوپال نے بہت سمجھایا کہ آپ مسافر ہیں اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں، پھر آپ موقع تہمت میں بھی نہیں، اس لیے مناسب ہے کہ آپ دربار میں شریک ہوں، نواب صاحب نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر میں ہرگز نہ کروں گا کہ اپنے نفس کے لیے خدا کے دربار کو چھوڑ کر دنیا کے دربار میں شریک ہوں، چنانچہ آپ نے اطلاع دے دی کہ میں دربار میں شریک نہ ہو سکوں گا۔ مجھے نماز جمعہ میں شریک ہونا ہے، اس کا جواب آیا کہ اگر ہمیں پہلے سے خیال ہوتا تو ہم جمعہ کو دربار نہ کرتے، مگر اب اعلان ہو چکا ہے اس لیے دربار تو نہیں موقوف ہو سکتا، آپ نماز جمعہ پڑھیں، آپ کے لیے دربار خاص منعقد کیا جاوے گا۔

نواب خلد آشیماں کی اس دینداری اور تشریح سے مطابق الناس علی دین ملوکہم ریاست میں دینداری و اتقار کی ہوا چل گئی تھی اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے دور خلافت کی ایک جھلک نظر آنے لگی تھی۔ سارے ہندوستان بلکہ شاید اس وقت ساری دنیائے اسلام میں ریاست ٹونک ہی وہ جگہ تھی جہاں بہت سے شرعی احکام جاری تھے اور دینی زندگی کے بہت سے آثار نظر آتے تھے، آپ کے مذاق طبیعت و رجحان کی وجہ سے ریاست میں مشرع اور دیندار اور متورع جمع تھے، ایک مرتبہ گھوڑوں کے ایک سو داگرنے آپ سے قیمت کا مطالبہ کیا، آپ نے فرمایا کہ مجھے تم سے گھوڑے لینا یاد نہیں، اس نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا، عدالت نے ان کو مدعا علیہ کی حیثیت سے طلب کیا، آپ حاضر ہوئے تو قاضی صاحب اور اہل عدالت نے کوئی تعظیم و احترام نہیں کیا اور مدعی کے برابر کھڑا کیا، مدعی کے پاس کوئی ثبوت و گواہ نہ تھا، اس لیے آپ پر قسم واجب آئی، آپ نے فرمایا کہ میں قسم نہیں کھاتا، قیمت دے دیتا ہوں، فیصلہ کے بعد قاضی صاحب نے کھڑے ہو کر آپ کی تعظیم کی اور جگہ دی اور فرمایا کہ اب آپ کی حیثیت دوسری ہے، اس وقت آپ مدعا علیہ تھے، آپ اس پر نہایت خدش ہوئے اور اپنے انتخاب پر خدا کا شکر ادا کیا۔

حدود ریاست میں تغزیہ داری کی سخت ممانعت تھی، ایک مرتبہ سرونج (مالوہ) کے پرگنہ میں تغزیہ دار

شودش پر آمادہ تھے، آپ نے حکم دیا کہ اس کام میں تساہل اور رعایت سے کام نہ لیا جائے اور یہ بدعت بند کر دی جائے۔ موسیقی و مزامیر کی بھی مانعت تھی، لیکن آپ ہمیشہ نہایت لطافت سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرماتے، ایک جگہ بجے کی آواز آئی، آپ وہاں ٹھہر گئے اور ساتھیوں سے فرمایا کہ آج یہاں کوئی نہایت خوش الحان چڑیا آئی ہے میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں اور اس کو پنجڑے میں رکھوں گا، لوگوں نے گھر میں گھس کر اس کو توڑ ڈالا اور باہر آ کر کہا کہ وہ چڑیا اڑ گئی، مطلب حاصل ہو گیا تھا اس لیے آپ نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں نواب صاحب نے ٹونک میں انتقال کیا۔

آپ سید صاحب کے نہایت معتمد اور جماعت کے ممتاز ترین افراد میں سے تھے، پنجاب میں سید صاحب کی اجازت سے تمام کاروبار اور آپ کے نوٹس خانہ کا کل اختیار انہیں کے ذمہ تھا، پہلے دہلی کے سفر سے یہ سب کاروبار مولانا محمد یوسف صاحب کے سپرد تھا، ان کے زمانہ میں بھی شیخ ولی محمد صاحب گویا ان کے پیشکار تھے، واقعہ بالا کوٹ کے بعد شکر مجاہدین کا تمام نظم و نسق آپ ہی کے ذمہ رہا، اور سید صاحب کے اہل خانہ اور ان مجاہدین و مہاجرین کے قافلہ کو (جنہوں نے ہندوستان واپس آنا پسند کیا) آپ ہی اپنی قیادت میں لے کر ٹونک آئے، آپ کے واقعات سیرت سید احمد شہید میں کثرت آئے ہیں

—(۴)—

شیخ ہمدانی خالص پوری

—(۵)—

مولوی سید محمد یعقوب سید محمد ابراہیم بن سید محمد عرفان کے صاحبزادہ اور سید صاحب کے حقیقی بھتیجے

مولوی سید محمد یعقوب برادر زادہ سید صاحب

تھے۔ نہایت متقی اور احکام شرعیہ کا بغایت لحاظ رکھنے والے، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے عمدہ قضا سپرد کرنا چاہا، قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ میں سود کی ڈگری پر مہر نہیں کر سکتا، نواب صاحب نے پچاس روپیہ وظیفہ مقرر کر دیا،

سید صاحبؒ کے بیچ معتقد تھے اور آپ کے دوبارہ تشریف لانے کے قائل اور منتظر تھے، اسی برس کی عمر میں ۱۲۸۶ھ میں انتقال فرمایا، آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ سید محمد یوسف، سید محمد ایوب، سید محمد ابراہیم۔

محمد یوسفؒ (یکے از امرائے ہندہ) مولانا محمد یوسفؒ بھلتیؒ

قاضی محمد یوسفؒ مرکی ساکن بمبئی



مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید احمد شہید کی ہمہ گیر تحریک کا ایک بڑا جز اصلاح عقائد و اعمال اور ترویج شریعت کا کام تھا جس کی تفصیل سیرت سید احمد شہید میں گزری، یہ کام سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد جاری رہا، حضرات اہل دیوبند، مجاہدین صاف و قیوہ اور علماء اہل حدیث کی اصلاحی و تبلیغی کوششوں کی رُوداد کتابوں میں ملتی ہے جو گوشہ اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے وہ نسبتاً ابھی تک مخفی رہا ہے۔ ابو الحسن علی

خاندان

امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد بن احمد المدنی (م ۶۷۶ھ۔ مدفون کڑہ) کی اولاد میں جو ہندوستان کے حسنی سادات کے مورث اعلیٰ ہیں۔ گیارھویں صدی ہجری کی ابتدا میں قصبہ نصیر آباد جالس (ضلع رائے بریلی) میں سید محمد فضیل اور سید محمد اسحق دونوں بھائی تھے جو علم و فضل، زہد و تقویٰ اور اتباع سنت میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

حضرت سید محمد فضیل کے صاحبزادے حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت سید آدم بنوری (خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی) کے اکابر خلفاء میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خاص، پیروی سنت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اتباع شریعت میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کی اولاد میں کثرت

سے علما و مشائخ پیدا ہوئے جن میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ نامور ہیں۔

حضرت سید محمد اسحاقؒ کے صاحبزادہ دیوان سید خواجہ احمدؒ تھے جو ایک مبحر عالم صاحب افکار و تدبیر اور شیخ طریقت تھے، علوم ظاہری میں شیخ محبت اللہ الہ آبادیؒ کے شاگرد تھے، آپ کے چچا زاد بھائی حضرت شاہ علم اللہؒ نے آپ ہی سے پڑھا تھا، شاہ صاحبؒ کی تحریک سے (جب وہ حضرت سید آدم بنوریؒ کے فیض سے مستفیض ہو کر آئے) آپ بھی حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت سید بندوستانؒ ہجرت کر کے حرمین تشریف لے جا رہے تھے اور بارش کی زیادتی کی وجہ سے گوالیار میں مقیم تھے، دیوان سید خواجہ احمد صاحبؒ نے وہیں بیعت کی اور تھوڑے دنوں میں کمالات باطنی حاصل کر کے خلافت سے سرفراز ہوئے اور وطن واپس آئے جہاں طالبین کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر تیسھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

دیوان سید خواجہ احمد صاحبؒ کی پانچویں پشت میں سید محمد لیسینؒ ہیں جو باوجود ملازمت شاہی کے ایک صاحب دل اور درویش سیرت بزرگ تھے۔ آپ حضرت سید شاہ نجم الہدیٰ کے خلیفہ تھے جو حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحبؒ کے خلیفہ مولوی محمد کبیری جالسی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت سید شاہ علم اللہ کے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے، سید محمد صاحبؒ اور حضرت سید خواجہ احمدؒ۔

ولادت اور ابتدائی حالات

مولوی سید محمد علی صاحبؒ اپنی کتاب تخت طاؤس میں لکھتے ہیں کہ حضرت سید احمد شہید نے جب جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ میں جہاد کے لیے وطن سے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور آپ کے مریدین و معتقدین کو اسکی اطلاع ہوئی تو وہ جوق در جوق آپ کی آخری ملاقات اور زیارت کے لیے اپنے شہروں سے دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں حاضر ہوئے، اسی غرض کے لیے آپ کے بہت سے اعزہ اور اہل خاندان مرد اور عورت قصبہ نصیر آباد سے بھی آئے (جو سید صاحبؒ کا قدیم آبائی وطن اور آپ کے خاندان کا دوسرا مسکن تھا) ایک مہینہ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر رہ کر انھوں نے بھی رخصت چاہی، سید صاحبؒ نے اجازت دی، رخصت ہوتے وقت سید

علی محمد صاحب کی اہلیہ نے عرض کیا کہ میری حقیقی بہن (زوجہ سید محمد لیسین صاحب) کا ایک پیغام ہے جو میں پہنچاتی ہوں، انہوں نے عرض کیا ہے کہ میرا بچہ محمد طہ تین سال کی عمر میں جا تا رہا، اس کا غم ابھی تک تازہ ہے۔ میری گزارش ہے کہ جناب دعا فرمائیں کہ صحت و تندرستی کی اولاد ہو، فرزند زینہ ہو اور سعادت مند ہو، حضرت نے اپنے معمول کے مطابق کچھ دیر خاموش اور مراقب ہو کر فرمایا کہ انشاء اللہ فرزند ہوگا، جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام اسکے جد امجد حضرت دیوان خواجہ احمد کے نام پر رکھا جائے، انشاء اللہ وہ فضل و کمال اور علوم دینی میں بعض اعتبار سے اپنے جد امجد سے سبقت لے جائے گا۔

انہوں نے یہ خواب بھی بیان کیا کہ میں نے ایام حمل کی ابتدا میں دیکھا کہ ماہ کامل اپنی جگہ سے خست کر کے میرے منہ میں چلا گیا اور اس کے روپوش ہونے سے تمام دنیا میں تاریکی پھیل گئی، کچھ دیر کے بعد وہ باہر آ گیا اور اپنی جگہ پر پہنچ گیا، حضرت نے اس کی یہ تعبیر دی کہ اس بچہ کی ولادت سے اس کی پیشانی کا نور چار دانگ عالم میں پھیل جائے گا اور مومنین اور بعض مقبوعین کے قلوب کو متور کر دے گا، جمالت کی جو تاریکی اس وقت پھیلی ہوگی اس کی روشنی سے کافور ہو جائے گی، اس کے ہاتھ اور زبان سے دین کی تازگی اور ترقی ہوگی۔

یہ بشارت سن کر وہ اپنے گھر آئیں اور اپنی بہن کو یہ مراد سنایا، انہوں نے سجدہ شکر کیا، عجیب ماجرا ہے کہ ۱۲۴۱ھ کو دو شنبہ کے دن (جس روز حضرت سید احمد شہید نے ہجرت فرمائی) صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے حضرت سید خواجہ احمد صاحب کی ولادت ہوئی اور اسی روز شام کو بعد نماز عصر حضرت سید صاحب نے ہجرت کے لیے رائے بریلی سے کوچ فرمایا۔

تعلیم

آپ نے درسی کتابیں، مختصرات سے متوسطات منقصر المعانی وغیرہ تک اپنے عزیز بزرگ مولانا سید محمد نصیر آبادی سے پڑھیں جو اساتذہ لکھنؤ اور پھر حضرت شاہ اسماعیل شہید کے شاگرد رشید اور حضرت شہید کے خلیفہ و مجاز تھے۔

۱۲۵۲ھ میں چودہ سال کی عمر میں آپ کے والد محترم آپ کو مولانا سخاوت علی جوہری (خلیفہ حضرت سید احمد شہید) کی خدمت میں باندہ لے گئے، جہاں مولانا نواب ذوالفقار علی بہادر والی باندہ کی طرف سے ریاست کے مفتی اور مدرسہ کے مہتمم تھے اور درس دیا کرتے تھے، آپ کے والد آپ کو مولانا سخاوت علی صاحب کے سپرد کر کے چلے آئے، تین سال آپ باندہ میں مولانا کی خدمت میں رہ کر علوم کی تحصیل کرتے رہے، مولانا جب باندہ سے اپنے وطن جوہر تشریف لائے تو آپ بھی ساتھ آئے، پھر جب مولانا دوبارہ باندہ تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے۔ ڈیڑھ سال مزید قیام فرما کر علوم کی تکمیل کی اور ۱۲۵۹ھ میں انیس سال کی عمر میں آپ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی، چونکہ مولانا سخاوت علی صاحب آپ کے خاص استاد اور مرتبی تھے جن کی شاگردی پر آپ کو ہمیشہ فخر رہا اور آپ کے ذہنی و اخلاقی و علمی تربیت اور مسلک و خیالات میں مولانا سخاوت علی صاحب کا سب سے بڑا دخل اور سب سے زیادہ اثر تھا، اور ہمیشہ قائم رہا، اس لیے اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سخاوت علی صاحب کی شخصیت اور ان کے مسلک و ذوق کا اندازہ ہو جائے کہ اس زمانہ میں اُستاد نہ صرف معلم ہوتا تھا بلکہ مرتبی اور ایک طرح کا شیخ اور امام بھی۔

مولانا سخاوت علی صاحب کو مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحی بڈھانوی سے تلمذ کی نسبت اور حدیث کی سند حاصل تھی، علوم عقلی و نقلی کی تکمیل مولانا احمد شہ آمامی تلمیذ حضرت شاہ اسحق صاحب دہلوی سے کی تھی، حضرت سید احمد شہید سے بیعت تھی اور آپ کے خاص لوگوں میں تھے، سید صاحب مولانا کی درخواست پر ان کے وطن منڈیا ہو ضلع جوہر بھی تشریف لے گئے تھے، آخر وقت تک سید صاحب کے مسلک و طریق پر قائم رہے نہایت مستحق، پرہیزگار اور متبع سنت بزرگ تھے، آپ کے ذریعہ سے قدیم جاہلانہ رسوم کا ابطال اور مذہبی شعائر کا اجراء بہت ہوا، وعظ و تلقین سے ہمیشہ رتبہ بدعات اور اتباع سنت کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہے، فتویٰ مدلل لکھتے تھے، اقوال فقہاء میں سے ہمیشہ اُس قول پر فتویٰ دیتے تھے جس کی تائید قرآن و سنت صحیحہ سے ملتی تھی، مولانا کا یہ فیض ہے کہ اب تک جوہر میں کوئی سُنی تعزیرہ داری نہیں کرتا، تمام عمر اول وقت پر مسجد میں باجماعت نماز کا خاص اہتمام تھا، عصر کی نماز ہمیشہ ایک مثل پر اور فجر کی نماز قرأت طویلہ کے ساتھ غلَس میں پڑھتے رہے۔ آخر عمر

میں ہندوستان کے مشہور منہگامہ ۱۵۷۷ء سے قبل ۶ ماہ مولانا سید امیر علی صاحب کی شہادت کے بعد ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے وہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۲۶۶ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔ آپ نے مولانا سخاوت علی صاحب کی خدمت میں تمام علوم معقول و منقول کی تکمیل کی، فراغت کے بعد خاندان کے بزرگوں کے اصرار سے وطن واپس تشریف لائے، ۱۴ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے جانے سے پہلے آپ کا نکاح ہو گیا تھا واپسی پر نہایت سادگی کے ساتھ رخصتی کی رسم ادا ہوئی جس میں خلاف شرع اور فضول مراسم سے پورا اجتناب کیا گیا۔

بیعت و سلوک

پہلا سلسلہ، سب سے پہلے حضرت شاہ یار محمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی جو حضرت سید شاہ نجم الہدیٰ نصیر آبادی کے خلیفہ اعظم تھے، حضرت سید نجم الہدیٰ عارف کامل — محمد یحییٰ جالسی کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب کے اور وہ اپنے والد محترم حضرت سید محمد کے، اور وہ اپنے والد محترم حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے، اور وہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہ سلسلہ حضرت شاہ علم اللہ کی خصوصیات اور ان کے فیض کا بہترین حامل تھا، حضرت سید محمد اپنے والد حضرت شاہ علم اللہ کے سب سے چھوٹے اور محبوب ترین فرزند اور ان کے خاص تربیت یافتہ اور گویا ان کے ترجمان دل اور لسان مقال تھے، فرماتے ہیں کہ حضرت والد ماجد نے آخر عمر میں جب کمال اتباع نبوی اور مشابہت محمدی میں تحریر و کتابت بھی چھوڑ دی تو مجھے ارشاد ہوا کہ فوائد و خطوط آنجناب کی طرف سے میں لکھا کروں چنانچہ اس کی وجہ سے سایہ کی طرح ساتھ رہتا اور جو کچھ ارشاد ہوتا اس کو قلمبند کرتا، آخر میں حضرت والد نے لوگوں سے ملاقات بہت کم کر دی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مشتمل ایک تحریر لکھوائی، جب کوئی بلنے آتا تو مجھے حکم ہوتا کہ میں جا کر سنا دوں، خواص میں سے

جس کو میں اہل سمجھتا، اس کے متعلق عرض کرتا اور آپ باہر تشریف لاتے اور ملاقات کرتے۔

حضرت سید محمد صورت و سیرت میں اپنے والد بزرگوار سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اور استغناء توکل، اتباع شریعت اور اظہار حق اور امر بالمعروف میں والد ماجد کے قدم بقدم، مولانا سید محمد نعمان (عم حقیقی حضرت سید احمد شہید) اپنی کتاب "اعلام الہدیٰ" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ناظم صوبہ الہ آباد حضرت دیا بہادر ناکر کا لشکر رائے بریلی میں وارد ہوا، ناظم حضرت کی خانقاہ میں خود آیا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی، حضرت سید اس وقت مکان میں تشریف رکھتے تھے، کسی کی زبانی کہلوا دیا کہ اگر ناظم صاحب کا آنا اس وقت ہوا ہوتا جب یہ فقیر مسجد میں بیٹھا ہوتا تو فقیر ملاقات کر لیتا اور امر بالمعروف کا کلمہ کہہ کر اور اسلام کی دعوت دے کر اپنے حق سے ادا ہو جاتا، اب تو اسلام کی تمنا کے بغیر اپنے حجرہ اور مسجد سے نکلنا اور آپ کی ملاقات کے لیے باہر آنا "ہماری شریعت" میں روا نہیں، اگر اسلام قبول کریں تو شوق سے آئیں، میں ملاقات کروں گا اور دوستی اور محبت سے پیش آؤں گا، ورنہ میری طرف سے معذرت قبول ہو، باقی یہ فقیر تمام بندگان خدا کے حق میں دُعا بخیر کرتا رہتا ہے۔

لطف یہ کہ ناظم مذکور اپنی معقولیت اور لیاقت کی وجہ سے ناراض نہیں ہوا اور بڑی خند پیشانی کے ساتھ کہا کہ سید صاحب اپنے فرض امر بالمعروف اور دعوت اسلام سے سبکدوش ہو گئے، میں اپنی کم نصیبی سے اس دولت سے محروم ہوں، یہ کہہ کر واپس آیا اور اپنے مصاحبوں سے کہا کہ ایسا بے نیاز اور متوکل بزرگ اس زمانہ میں نہ دیکھنے میں آیا۔ سننے میں، بزرگان و مشائخ تو امر اور ناظموں پر اثر ڈالنے اور ان کو اپنا بنانے کے لیے کیسے کیسے وظیفے اور عمل اور تدبیریں کرتے ہیں، پھر شہر کے قریب کچھ مواضع کا پروانہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ میں بادشاہ کا نائب ہوں اور مجھے حکم ہے کہ سادات کرام، مشائخ عظام اور درویشان عالی مقام کو تلاش اور دریافت کر کے ان کے لائق اہل کی خدمت کروں، اس لیے یہ درحقیقت بادشاہ کی طرف سے مندر ہے، جناب مجھ گنہگار اور غیر مسلم کو درمیان میں تصور نہ فرمائیں اور اس کو قبول کریں۔

حضرت سید محمد کے صاحبزادے حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب اپنے والد کے خاص تربیت یافتہ اور وقت کے جلیل القدر مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے، قوت نسبت، معرفت و علوم مقامات، اتباع سنت، زہد و ورع، ایثار و استغناء اور تربیت سلوک میں دُور دُور مشہور تھے۔ اودھ میں آپ ہی کی ذات طالبین و ساکین کا سب سے بڑا مرکز و مرجع تھی۔ ۱۲۰۹ھ کو وفات ہوئی، مریدین و مستفیدین میں مولانا ازہار الحق فرنگی محلی، مولانا ذوالفقار علی دیوبی، قاضی عبدالکریم جوڑاسی، مولانا احمدی کرسوی، شاہ محمد کھٹی جالسی، مولانا سید محمد نعمان نصیر آبادی جیسے مشاہیر علماء و مشائخ ہیں۔

مولانا خواجہ احمد صاحب اس سلسلہ میں دو واسطوں سے داخل ہیں، ایک شاہ یار محمد صاحب کے ذریعہ دوسرے خود اپنے والد محترم سید محمد لیسین صاحب کے ذریعہ، دونوں حضرات حضرت سید نجم الہدی کے خلیفہ تھے، دوسرا سلسلہ: اس کے بعد آپ نے اپنے اُستاد اور بھائی حضرت مولانا سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادی کے ہاتھ پر بھی بیعت کی جو حضرت امیر المؤمنین سید احمد شہید کے خلیفہ تھے، مولانا سید محمد صاحب نے آپ کو حضرت سید صاحب کے پانچوں سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ اور محمدیہ (سید صاحب کا خاص طریقہ) میں خلافت عطا کی۔

مولانا بیان فرماتے تھے کہ پیر اور مُرشد اور برادر بزرگ مولانا سید محمد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے جب حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تو سید صاحب نے مجھے خلافت عطا فرمانے کا ارادہ کیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس بار کا تحمل نہ ہو سکوں گا، فرمایا اس کو قبول کر لو، ہمارے اور تمہارے درمیان ایک وسیلہ پیدا ہوگا جو اس بار کا تحمل اور اس دولت کا سزاوار ہوگا۔

تیسرا سلسلہ: اپنے اُستاد شیخ مولانا سید محمد کی وفات کے بعد جب آپ ۱۲۶۸ھ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں حضرت مولانا محمد عقیوب مہاجر مکہ (نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) سے طرق العبرہ میں خلافت و اجازت حاصل کی اور چھ مہینہ ان کی خدمت میں ٹھہر کر ان کے علوم و کمالات کے فیوض سے مالا مال ہوئے اور اعمال مشائخ کی اجازتیں، سندِ حدیث اور حرقہ خلافت اور ملبوس خاص کا عطیہ حاصل کیا۔

اس طرح آپ صرف مولانا محمد یعقوب صاحب کے ایک واسطے سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے

سلسلہ میں داخل ہیں۔

حج اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے استفادہ

مولانا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ۱۲۴۸ھ میں حج کو گئے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی اپنے
برادر بزرگ سند العلماء والمحدثین اُستاذ الہند حضرت محمد اسحق صاحب کے ساتھ ۱۲۵۸ھ میں ہندوستان سے مکہ مکرمہ
ہجرت کر گئے تھے، حضرت مولانا محمد اسحق صاحب نے ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا لیکن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب
۱۲۸۲ھ تک ایک عالم کو فیض پہنچاتے رہے، مولانا خواجہ احمد صاحب مولانا دہلوی کی خدمت میں چھ مہینے مقیم رہے
اس خاندان سے قدیم علمی و دینی تعلقات اور آخری اور سب سے محکم حضرت سید احمد شہید بریلوی کے تعلق اور تعارف
کی بنا پر پھر استعداد و اہلیت اور سعادت فطری کی وجہ سے مولانا محمد یعقوب صاحب نے مولانا خواجہ احمد صاحب
کی بڑی پذیرائی فرمائی اور ان کی طرف خاص توجہ مبذول کی، مولانا سید خواجہ احمد صاحب فرماتے تھے کہ تمام علوم
ظاہری و باطنی کی سند مجھے اس مرکز رشد و ہدایت سے حاصل ہوئی اور میں نے جو کچھ پایا، یہیں سے پایا، تمام کنفیوٹوں
کا حصول اور زیارت حرمین شریفین کے شرف کا ادراک بھی انہیں کی توجہ کا ثمرہ ہے، آپ کے خلیفہ اور بھتیجے مولوی
حکیم سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہر جہانات میں لکھتے ہیں کہ حضرت جب اپنے اُستاد و شیخ حضرت مولانا
محمد یعقوب صاحب کا تذکرہ فرماتے تو آپ ایک ذوق و وجد طاری ہو جاتا اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ اپنے شیخ کی
خدمت میں حاضر ہیں، اکثر ان کا ذکر کرتے وقت آپ کی آنکھیں پُر آب ہو جاتیں اور فرماتے کہ اس کی حسرت ہے
کہ آپ کی زیارت کا دوبارہ شرف حاصل نہ ہوا اور آپ کا وصال ہو گیا۔

ایک مرتبہ ذکر کرتے وقت آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ جب میں نے مدینہ طیبہ زادہ اللہ شرفاً
کا عزم کیا تو روزانہ دلائل الخیرات کا ایک دور کرتا تھا، جب زیارت قبر نبوی سے مشرف ہوا تو قبر نبوی کے سامنے
بیٹھ کر دلائل الخیرات پڑھتا، اُس وقت ایسی کیفیت حاصل ہوتی کہ وطن کی واپسی کا عزم فسخ کر دینے کا جی چاہتا،

اور وہیں پیوندِ خاک ہو جانے کی آرزو ہوتی، ایک مرتبہ درود پڑھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلال اور آپ کی نسبت پدری کا ایسا جوش ہوا کہ میں نے چشم بصیرت سے دیکھا کہ خود بدولت و اقبال و نون بخش ہیں، یہاں تک کہ ایک روز انا قرأت دلائل الخیرات میں یہی کیفیت طاری ہوئی اور یہ آواز کان میں پہنچی کہ تمہارا آنا مقبول ہوا، اس مژدہ جاں فزا سے میرا رُوداں رُوداں تازہ ہو گیا۔

آپ مولانا محمد یعقوب صاحب کا اکثر اپنی مجلس میں ذکر فرماتے اور مکہ مکرمہ کی ان یادگار صحبتوں کو یاد کرتے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مولانا کا حکم تھا کہ جب آؤ تو مجھے اپنی آمد کی اطلاع کر دو میں فوراً باہر آ جاؤں گا لیکن بعض مرتبہ میں تعمیل حکم کے لیے اطلاع کر دیتا اور بعض مرتبہ انتظار میں بیٹھا رہتا جب آپ مکان سے برآمد ہوتے تو فرماتے کہ تم نے اطلاع کیوں نہیں کی میں عرض کرتا کہ اس خیال سے اطلاع نہیں کی کہ حضرت کسی کام میں ہوں گے میری وجہ سے کام چھوڑ کر باہر تشریف لانا پڑے گا، فرماتے کہ نہیں اطلاع کر دیا کرو اگر کسی ضروری کام میں ہوں گا تو کہلوا دوں گا ورنہ باہر آ جاؤں گا۔

فرماتے تھے کہ جب حضرت شیخ حرم محترم میں داخل ہونے لگتے تو میں چاہتا کہ نعلین مبارک اٹھاؤں یا کہیں حفاظت سے رکھ دوں لیکن آپ اس کو پسند نہ فرماتے اور اس کام کو کسی اور خادم کے سپرد کر دیتے، حضرت شیخ کبرنی کے باوجود اور متعدد خدمتگاروں اور نیاز مندوں کے ہوتے ہوئے بھی کسی سے اپنے کام کے لیے نہ فرماتے اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے، ایک مرتبہ حرم سے واپس آتے ہوئے آپ نے ایک تر بوز اور کچھ چیزیں خریدیں میں نے چاہا کہ تر بوز اپنے ہاتھ میں لے لوں لیکن آپ نے کسی طرح اس کو منظور نہ کیا اور سب چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر آئے۔

تبلیغ و اصلاح

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و مقبولیت کا سب سے بڑا ثبوت اور آپ کی زندہ جاوید کرامت و عینی صلاح و تغیر ہے جو آپ کی ذات سے رونما ہوا جب سے آپ علم حاصل کر کے آئے دم واپس تک آپ ہدایت و شاد ہی میں مشغول رہے اور آپ نے اپنی زندگی کا کوئی دن یہاں تک کہ مرض موت کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔

اسی کے لیے آپ نے شہروں اور دیہاتوں کے سفر اور دورے فرمائے، اسی لیے آپ لوگوں سے بیعت اور عہد و پیمان لیتے تھے، اسی کے لیے مُردین کی تعلیم و تربیت تھی اور اسی کے لیے وعظ و تقریر، اودھ اور صوبہ متحدہ کے مشرقی حصہ میں مدت دراز سے جہالت و ضلالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور یہ خطہ علماء و مصلحین کی ہدایت و توجہ اور اہل اللہ کے انفاس و برکات سے عرصہ دراز سے محروم چلا آ رہا تھا، اس مردم خیز سرزمین میں بلاشبہ بڑے بڑے مجتہدانہ قابلیت کے علما غیر فانی مصنف، جہاں استاد، عالم و معلم، بادشاہوں کے مخدوم، خادم علم، صاحبِ دل درویش و صوفی، صاحب اسرار و حقائق عارف اور صاحب مقامات و کرامات سالک مجذوب پیدا ہوئے، لیکن یہاں شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کی کوئی نظیر نہیں ملتی جس کی کوشش و برکت سے دہلی اور سہارنپور کے اطراف و نواح دارالاسلام کا نمونہ بن گئے، اودھ کے ایک جلیل القدر عالم (ملا نظام الدین فرنگی محلی) کا مرتب کیا ہوا نصاب درس سارے ہندوستان میں رائج ہے اور اس طرح یہاں کے علم کا سکہ مشرق و مغرب میں رواں ہے، لیکن اس جلیل القدر عالم اور استاد الہند کے وطن ہی میں اور اس کے گرد و پیش کوئی تشریح زندگی اور دینداری کے آثار نہیں، نقشبندیوں کے ایک پُر جوش خاندان (جس کے بزرگوں کا ذکر اس مضمون کی ابتدا میں ہوا ہے) لہتہ اپنے حلقہ میں بڑی اصلاح کی اور بالخصوص احترام شریعت اور اتباع سنت کا علم بلند کیا، اور تقریباً دو صدیوں تک سنت و شریعت کی شمع روشن رکھی اور پھر آخر میں اس کے ایک فرد حضرت سید احمد شہید نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، علماء مصلحین کے ایک گروہ عظیم کے ساتھ اودھ کے قصبات شہروں اور دیہاتوں کا دورہ کیا، شرک و کفر اور بدعات کے خلاف لسانی اور عملی جہاد کیا اور ہزاروں آدمیوں کو اسلام کے صحیح راستہ پر لگا دیا، لیکن سفرِ ہجرت جہاد پیش آ جانے کی وجہ سے اس کام کی تکمیل نہ ہو سکی پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جتنا اثر یوپی کے مغربی اور مشرقی حصہ پر ہوا، وہ وسطی حصہ اور اودھ پر نہیں ہوا اور یہ دوا بہ آپ کے دربانے فیض سے اتنا سیراب نہ ہو سکا جتنا سہارنپور اور اس کے نواح یا جونپور اور اس کے اطراف میں۔

اودھ کے ان مخصوص حالات اور یہاں کی دینی ویرانی اور بے رونقی اور بدعات کی کثرت کے کچھ تاریخی

اسباب ہیں ان میں سے تین سبب خاص طور پر قابل ذکر ہیں

پہلا اور سب سے بڑا سبب اودھ کی سلطنت ہے، محمد شاہ کے عہد میں اودھ کی صوبہ داری برطانوی ملک نواب سعادت خاں محمد امین نیشاپوری کے حصہ میں آئی جو اپنی نسل اور تہذیب کے اعتبار سے ایرانی اور مذہباً شیعہ تھے، ان کے داماد صفدر جنگ منصور علی خاں ان کے جانشین ہوئے اور انہیں کی اولاد میں یہ سلطنت آخر تک رہی یہاں تک کہ واجد علی شاہ آفری شاہ اودھ سے انگریزوں نے جاملی کی، اس خاندان کو اودھ پر سوا سو برس سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع ملا، ہندوستان کی ذہنی و اصلاحی تاریخ میں یہ عہد بڑا اہم ہے، اس کے آغاز میں ملکی میں حضرت شاہ ولی اللہ اپنے علوم و فیض سے ایک عالم کو فیضیاب کر رہے تھے، شاہ صاحب نے ۱۱۶۶ھ میں وفات پائی جو نواب شجاع الدولہ کی وزارت (اودھ) کا زمانہ ہے، شاہ عبدالغفری صاحب آصف الدولہ اور نواب سعادت علی خاں اور غازی الدین حیدر کے معاصر ہیں، شاہ عبدالغفری صاحب کے معاصر لکھنؤ میں مولانا سید ولد علی نصیر آبادی مجتہد تھے جنہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے شیعوں میں جمعہ و جماعت قائم کی، ان کے زمانہ اجتہاد میں مذہب شیعہ کی بڑی اشاعت و ترویج ہوئی، نواب آصف الدولہ کو بھی اس سے بڑی کچھ سی تھی بکثرت شرفا اور متعدد خاندان سادات نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا، آخر میں امجد علی شاہ (م ۱۲۶۳ھ) (والد واجد علی شاہ) کو اپنے مذہب کی اشاعت سے خاص شغف تھا اور انہوں نے اس میں بڑا حصہ لیا۔

شیعیت کے ساتھ تشیع کی بڑی اشاعت ہوئی، اودھ کے مسلمانوں میں شیعوں کے خیالات و عقائد بکثرت مقبول ہو گئے اور ان کی معاشرت میں ان کے رسوم بے تکلف داخل ہو گئے، سنیوں میں تعزیرہ داری اور مجلس خورانی کا رواج بھی یہاں کی خصوصیات میں سے ہے، بدعات اور بعض مشرکانہ اعمال کی بھی جو کثرت ہے، وہ شاید دوسرے مقامات پر نہ ہوگی پھر اس کے لیے علاوہ عام دینی بے رونقی جو پورے اودھ میں پائی جاتی ہے، لکھنؤ جیسے بڑے شہر میں جو سو برس سے زائد تک مسلمانوں کا دار السلطنت رہ چکا ہے جامع مسجد کا نہ ہونا اور دوسرے شہروں میں بھی بڑی اور وسیع مسجدوں کی کمی اور ان کی بے رونقی اودھ کی خصوصیات اور یہاں کی سلطنت کے آثار میں سے ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ عقائد و اعمال کی اصلاح، اتباع سنت کا ذوق و ولولہ، تبلیغ دین اور امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر کا جوش اور حقیقی روحانیت اور صحیح دینی رنگ قرآن و حدیث سے پیدا ہوتا ہے، انھیں کے مطالعہ سے شریعت وغیر شریعت، سنت و بدعت اور اپنے زمانہ اور خیر القرون کا فرق معلوم ہوتا ہے، منطقی و فلسفہ اور علوم ادبیہ اور ریاضیہ کا نہ یہ موضوع ہے نہ ان کو ان باتوں سے سروکار، ان کے مطالعہ اور درس و تدریس اور ان میں انہماک کرنے سے نہ ان مسائل کی اہمیت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ دینی اصلاح و تغیر کا شوق و جوش اور نہ بیداری یا خلاف شریعت امور پر بے چینی اور بے قراری پیدا ہو سکتی ہے، اودھ کے علماء کو انھیں علوم عقلیہ میں انہماک تھا، اور ان میں سے بعض کو ان علوم میں درجہ امامت و اجتہاد حاصل تھا، لیکن علمائے اودھ کی طویل فہرست میں مرزا حسن علی لکھنوی مولانا سید قطب الہدی رائے بریلوی اور مشگل سے ایک دو افراد کو چھوڑ کر (جو شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے شاگرد تھے اور وہاں سے حدیث کا ذوق لے کر آئے تھے) ایسے لوگ نہیں ملتے جنہوں نے حدیث سے اشتغال کیا اور ان کی زندگی اس کی خدمت اور اشاعت میں صرف ہوئی ہو، بعض علمائے علوم دینیہ کی طرف توجہ کی اور بعض رسائل اپنی یادگار چھوڑے لیکن یہ ان کی ذکاوت اور وسعت علم کا نمونہ ہے، ان کو ان علوم و کتاب و سنت میں فنا کا درجہ حاصل نہیں تھا اور جب تک کوئی شخص کسی چیز میں فنانہ ہو اور اس کا عشق اور اس کی رنگینی اس پر طاری نہ ہو جائے اس کے پاس بیٹھنے والوں اور دوسروں میں اس کا ذوق پیدا نہیں ہوتا اور اس کا وہ رنگ دوسروں تک منتقل نہیں ہوتا، دورِ آخر میں دو علماء اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں، اور ان سے وہ فائدہ پہنچا جو علماء برہانین سے پہنچا چاہیے، ایک مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی، دوسرے مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی رحمہما اللہ تعالیٰ۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ یہاں کے تصوف و طریقت کے خانوادوں اور اہل سلسلہ حضرت میں ردِ بدعات اور ترویجِ سنت کا وہ ذوق اور جوش نہ تھا، جو ان خانوادوں اور سلسلوں میں پایا جاتا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی یا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے طرح متاثر ہوئے ہیں، ان حضرات کے علوم و مقام، ان کی حقیقت دانی و فرض شناسی سے ہرگز انکار نہیں، ان سے جو دینی اور روحانی فائدہ پہنچا، قلوب کی جو تاریکی دور ہوئی اور یادِ الہی کا جو ذوق پیدا ہوا اس کے پورے اعتراف کے ساتھ اس حقیقت کے اظہار میں باک نہیں کہ اصلاح عقائد و رسوم اور تجدید دین کا یہ گوشہ ان کے دائرہ عمل سے خارج رہا۔

سلاطین، علماء و مشائخ یہی تین عناصر حکومت ہیں جن کے زیر اثر مسلمان رہتے ہیں، اودھ کی موجودہ حالت انہیں کے رجانات مشاغل اور ذوق کا عکس ہے، اس صورت حال کے خلاف (جو ایک صدی سے زائد مدت سے قائم تھی، اور جوان تین طاقتور موثرات کا نتیجہ تھی)، جن لوگوں نے قدم اٹھایا ان کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ایک اچھا خاصا میدان جہاد ان کے سامنے تھا لیکن انہوں نے اپنے اخلاص، سرگرمی، روحانیت اور تبلیغی جدوجہد سے اس میدان کو فتح کر لیا۔

حضرت سید احمد شہید نے سب سے پہلے اس میدان میں قدم رکھا، آپ نے حج سے پہلے اودھ کے بیشتر قبضات اور مقامات کے تبلیغی دورے کیے جن میں آپ کے ہمراہ سو سو آدمیوں سے زیادہ ہوتے تھے ہزاروں آدمی بیعت میں داخل ہوئے اور ہزاروں نے شرک و بدعت اور گناہوں سے توبہ کی، خلاف شرع امور و مراسم کو چھوڑا اور شرک و بدعات کے شعائر و نشانات اور شیعیت کے آثار مٹائے،، آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ آپ نے لکھنؤ میں قیام فرمایا، علماء دہلی کے سوا غلط ہوئے اور دارالسلطنت میں اصلاح خیال کی ایک رو دوڑ گئی اور دینداری اور شرع کی ایک فضا پیدا ہو گئی، یہ کام اور آگے بڑھا لیکن ۱۲۳۸ھ میں سفر حج اور ۱۲۴۱ھ میں سفر ہجرت و جہاد کی وجہ سے یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

لیکن ۱۲۵۹ھ میں جب مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی، حضرت سید صاحب کے خلیفہ مولانا سخاوت علی صاحب جو پوری سے تعلیم و فراغت حاصل کر کے اپنے وطن نصیر آباد آئے تو آپ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور نواح میں اس کام کی تکمیل کی۔

آپ کے خلیفہ مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب مہر جاں تاب میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ ایک عزیز نے خواب دیکھا اور مجھ سے بیان کیا کہ حضرت امام المجاہدین مشہد آفاق سید احمد قدس سرہ مسجد میں تشریف رکھتے ہیں اور آپ بھی موجود ہیں، راوی کہتے ہیں میں وضو کر رہا ہوں کہ وضو کر کے اذان کہوں، ابھی میرا وضو ختم نہیں ہوا تھا کہ حضرت سید احمد صاحب نے آپ کو (خواجہ احمد صاحب) کو حکم دیا کہ اذان دو، مجھے تعجب ہوا کہ آپ کو اذان دینے کا کیوں حکم دیا، مولانا نے فرمایا کہ مسجد دنیا میں بہترین جگہ ہوتی ہے اور اذان اطلاق

اعلان کا ایک ذریعہ ہے اس لیے اس کی تعبیر یہ ہے کہ گویا حضرت سید صاحب مجھے اپنے طریقہ ترویج دین حیا و سنت کا حکم دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں اس کو ان لوگوں تک جن تک ابھی یہ نہیں پہنچا ہے پہنچاؤں چنانچہ قصبات و دیہاتوں کا دورہ اور گاؤں گاؤں تبلیغ اسی کا طہور ہے۔

اس تبلیغ و ہدایت کا ایک سبب سے قومی اور موثر ذریعہ بیعت تھا، تحصیل علم اور قطع منازل سلوک کے بعد جوق جوق لوگوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اس وقت ان اطراف میں آپ سے بڑھ کر عالی سلسلہ صاحب نسبت اور جامع شریعت و طریقت کوئی ہستی نہ تھی اور آپ سے بڑھ کر کوئی عزیمت پر عمل کرنے والا اور صاحب استقامت شیخ نہ تھا، خاندان میں بھی دورِ آخر میں آپ کی ذات تھی، اس لیے جتنے لوگ اس خاندان سے عقیدت رکھتے تھے یا حضرت سید احمد شہید کے سلسلہ سے وابستہ تھے ان سب نے آپ کی طرف توجہ کی، دیہاتوں اور قصبات کے ہزاروں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ نے ان کو شرک و بدعت سے تائب کر کے سلسلہ میں داخل کیا اور اتباع شریعت اور پیروی سنت کا عہد لیا، پھر ان کی نگرانی اور ان کا احتساب فرماتے رہے اور ان کی تعلیم و تربیت میں کوشاں رہے، ان میں سے بہتوں کو اپنی خدمت میں لکھ کر ان کی تکمیل کی اور جاوہ شریعت پر ثابت قدم اور مستقیم بنا دیا، دیہاتوں اور قصبات اور شہروں کے سفر اور دوروں میں سیکڑوں آدمی بیعت ہوتے اور شرک و بدعت، خلاف شرع رسوم و اعمال اور معاصی سے توبہ کرتے اور احکام شریعت کی پابندی اختیار کرتے۔ یہ بیعت اصلاح عقائد و اعمال کا بہترین ذریعہ تھی اور اس سے آپ کا مقصد یہی تھا۔ چنانچہ اپنے ایک اجازت نامہ میں جو آپ نے مولوی حکیم سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کیا اپنے قلم خاص سے تحریر فرماتے ہیں :

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله محمد سيد المرسلين
وعلى آله واصحابه الذين قاموا بنصرة الدين، ابا بعد ميكيويد المفتقر الى الله
الصمد فقير خواجہ احمد حسنی عفی عنہ و اسلافہ کہ مقصود از بیعت بردست مشائخ طریقت
ہمیں است کہ راہ رضامندی حق بدست آید و راہ رضامندی، حق منحصر در اتباع شریعت
غرا است، ہر کہ سوائے شریعت مصطفویہ را طریق تحصیل رضامندی حق نگار و بیشک

اں شخص کاذب و گمراہ است و دعویٰ او باطل و نامسموع و اساس شریعت مُصطَفَوِیَّہ
 دو امر است، اول ترک اشراک و ثانی ترک بدعات، بالکلہ در جمیع عبادات و معاملات و
 اُمور معاشیہ و معاویہ طریق خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بحال قوت و
 علوہمت باید گرفت۔“

اس کی کچھ اور تفصیل و تشریح اس وصیت سے ہوتی ہے جو اس سلسلہ کے لوگ عوام سے بیعت لیتے
 وقت کرتے تھے چنانچہ آپ کے خلیفہ حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے یہ الفاظ نقل کیے جاتے ہیں:

”موافق فرمانے خدا اور رسول کے تعمیل کریں، امر کو بجا لادیں جیسے نماز، روزہ
 وغیرہ اور نہی سے باز رہیں جیسے شرک و بدعت گناہ مانند سجدہ کرنے واسطے بزرگوں کے
 زندہ ہوں یا مُردہ اور تعزیر داری اور مالچ اور رنگ اور سود خواری اور رسوم ممنوعہ کہ
 شادی وغنی میں مروج ہیں اور سوا اس کے، پس جو اس کے خلاف کرے گا وہ گنہگار
 ہوگا اور توبہ اس کی شکست ہوگئی تجدید توبہ اس پر لازم ہے۔“ ہو الموفق والبعین

یہ دونوں اقتباسات ان حضرات کے حقیقی خیالات کا آئینہ ہیں اور ان سے بیعت کا اصلی مقصود معلوم
 ہوتا ہے ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ بیعت اور عہد و پیمان کرتے تھے ان کی کس قدر اصلاح ہوتی ہوگی
 اور اس سلسلہ سے شرک و بدعات کا کس قدر استیصال اور شریعت و سنت کا کس قدر رواج ہوتا ہوگا۔

تبلیغ کا دوسرا ذریعہ آپ کے مواخظہ و نصائح تھے، مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ جمعہ
 کی نماز سے عصر کے وقت تک سفر میں ہو یا حضر میں برابر وعظ فرماتے اور بسم اللہ سے لے کر وانا تنک قرآن مجید
 کی تفسیر مسلسل بیان کرتے، جب قرآن شریف کا ایک دو ختم ہو جاتا تو دوسرا دور شروع کرتے، ایام مرض موت اور
 بعض غیر معمولی حوادث کے علاوہ کبھی اس معمول میں فرق نہیں آیا، ان مواخظہ میں خاص مقام اور اطراف و جوانب
 کے سیکڑوں آدمی شریک ہوتے اور متاثر و مستفید ہوتے۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ آپ مختلف مقامات پر تشریف لے جائے وہاں مواعظ ہوتے، جب تک قیام رہتا نصیحت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مشغول رہتے اور دینی مذکور رہتا، اسی عرصہ میں ہزاروں آدمی بیعت تو بہ کرتے اور ان کی زندگی میں تبدیلی ہو جاتی، بہت سے آپ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے، سنت و شریعت کا اثر مومنہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے، بہت سے سائل اور دین کے احکام دیکھ دیکھ کر اور خدمت میں رہ کر سیکھ لیتے اور جہاں آپ اپنے رفقا اور خادموں کے ساتھ قیام فرمالتے وہاں دین کا رواج ہو جاتا اور اس کا ایک رنگ پیدا ہو جاتا، آج تک لوگ اپنے وطن اور قصبات میں آپ کی آمد اور قیام کے قصے بڑے جذب و شوق سے بیان کرتے ہیں اور ان کی برکات کو یاد کرتے ہیں جو آپ کی تشریف آوری اور قیام سے وہاں حاصل ہوئے اور آج تک ان مقامات پر کچھ نہ کچھ دین کا اثر موجود ہے۔

آپ کی بیعت و ارشاد اور وعظ و تلقین سے جن ہزاروں انسانوں کی اصلاح ہوئی اور ان کی زندگی میں کامل تغیر ہو گیا، ان کی صحیح تعداد صرف اللہ کو معلوم ہے لیکن جن مقامات پر آپ کا جانا زیادہ ہوتا تھا اور جہاں آپ کا یا آپ کے لوگوں کا اثر زیادہ تھا وہاں یہ اصلاحی و دینی اثرات کسی نہ کسی شکل میں اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں ضلع رائے بریلی، پرتاب گڑھ، سلطانپور، جوئیپور، اعظم گڑھ، غازی پور وہ مقامات ہیں جہاں آپ کا اثر ہوا جو پورہ اور اعظم گڑھ غالباً وہ مقامات ہیں جو بدعات سے تقریباً پاک ہیں اور بعض معمر بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ مولانا تیسرا جوہا احمد صاحب کا فیض ہے۔

ان تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کی مفصل روداد آج ہمیں دستیاب نہیں ہو سکتی نہ اس وقت کوئی ایسا آدمی موجود ہے جو ان سفوف میں ساتھ رہا ہو اور اپنے چشم دید حالات بیان کرے لیکن اس کی تلافی مولوی حکیم سید محمد علی صاحب کی قلمی تحریر سے ہو سکتی ہے جو ایک چشم دید گواہ ہیں، مولانا کی خدمت میں عرصہ تک رہے اور قریبی خاندانی تعلق کے علاوہ جناب کے فیضانہ مجاز ہیں، آپ کی تبلیغی کامیابی اور دینی اصلاح و تغیر کا ذکر کرتے ہوئے مہر جہان تاب میں لکھتے ہیں :

”جب اللہ کی نعمتوں کے حصول کے بعد خلق اللہ پر شفقت نے آپ کو اصلاح حال

پر آمادہ کیا تو سب سے پہلے وطن پھر دوسرے شہر و دیار کے لوگوں نے جوق جوق کسب فیض کے ارادہ سے آپ کا قصد کیا اور آپ کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوئے، آپ کے حلقہ تربیت میں رہ کر اشغال و اذکار و مراقبہ و مشاہدہ کی تعلیم حاصل کی اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہ کر تکمیل کی اور صاحب ارشاد ہو کر اپنے اپنے وطن واپس گئے، اور حصول سعادت کے لیے آنجناب کو اپنے وطن میں تکلیف دی، کچھ زیادہ مدت نہ گزرنے پائی تھی کہ اس قصبہ کے گرد و نواح شرک و بدعات کے اثرات سے اور ممنوعات شرعی اور امراض باطنی سے پاک ہو گئے، نماز روزہ کی پابندی عام ہو گئی، بیواؤں کے نکاح کا عام رواج ہو گیا، نفوس پاک صاف اور صفات و اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو گئے خصوصاً قبائل شرقیہ سے اقوام قریشی جو بہانہ سیرت تھے اور بھالے سلطان کہ تو مسلم تھے اور انھیں کطرح دوسری برادریاں اور قومیں کہ صدیوں سے شرک و بدعات میں مبتلا تھیں بلکہ ہندوؤں کی طرح ان کے نزدیک کفر و اسلام میں کوئی فرق نہ تھا، وہ خدا کے فضل سے ایسے پابندِ شریعت بن گئے کہ اگر ان کی برادری میں کوئی کسی خلاف شرع امر کا مرتکب ہو تو اس کو برادری سے خارج کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ نشست و برخاست ترک کر دیتے ہیں اور وہ لوگ جو ہمیشہ دھوتی باندھتے تھے اب کرتا اور شرعی پانجامہ ان کا لباس ہے، دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ ان لوگوں نے آج اسلام قبول کیا ہے۔“

اس بنا پر اگر آنجناب کو تیرھویں صدی کے آخر کا مجدد کہا جائے تو بجا ہے کہ ملت محمدی کو زندہ اور سنت احمدی کو برپا کیا وہ قومیں جو تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد کے عہد میں فیض سے محروم رہیں اور جنہوں نے اسلام میں سے کوئی حصہ نہ پایا، حضرت مخدوم زماں کے زمانہ میں بہرہ ور ہوئے اور اس کام کی تکمیل ہوئی جس کا حضرت سید شہید نے آغاز کیا تھا، ان انبیاء کرام کی طرح جنہوں نے سابق پیغمبروں کی شریعت کے حکام کا اجرا

کیا، اور دُور دُوران کی اشاعت کی، اس قطبِ زمان تیرھویں صدی کے مجدد کے کام کی تکمیل کی اور شریکِ منصب تجدید ہوئے جس طرح ایک عہد میں ایک سے زائد انبیاء ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک صدی میں دو مجدد ہو سکتے ہیں اور علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسی طرح قصبات اور دُور دُور کے شہروں کے مسلمان جو اسلام کا دعویٰ کرنے اور ارکانِ خمسہ ادا کرنے کے باوجود سنتِ نبوی سے بالکل بیگانہ اور بدعات اور مراسمِ شنیعہ میں منہمک تھے جیسے مُردوں پر لوجہِ ماتم، سیوم و سیم چہلم اور مُردوں کے دوسرے کام اور نیل پائین، مہندی، گنگنا ناچ، گانا اور شادی کے دوسرے مراسم، اسی طرح بدعات کی دُوسری قسمیں جیسے انعقادِ مجلسِ میلاد، یا ذکرِ ولادتِ مبارک کے وقت قیام اور گیارہویں کی مجلس، بزرگوں کے عرسِ نیاز اور ان سے اپنی دُنیاوی ضرورتوں میں استمداد اور استعانت اور تعزیرِ داری وغیرہ اور ان میں سے بہت سے صوم و صلوة کے تارک، سو دخوار تھے، مردوں کے لیے جو لباس ممنوع ہے پہنتے تھے، ڈاڑھی منڈاتے تھے اور دُوسرے خلافِ شرع کام کرتے تھے، ان میں سے اکثر ایسے پاک صاف ہو گئے جیسے کپڑا دھل کر اُجلا ہو جائے اور اس کا سارا میل کچیل اور داغ دھبے مٹ جائیں اور اس کے برخلاف وہ راست معاملہ، صادق القول، اول وقت نماز کے پابند بن گئے، نوافل و اُوراد کا التزام کرنے لگے، سو دخواری چھوڑ دی اور تمام اخلاقِ مذمومہ اور اعمالِ قبیحہ سے توبہ کی اور صفاتِ حسنہ اور اعمالِ مسنونہ سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے۔

(ترجمہ از مہرِ جہان تاب ص ۹۷)

آپ کے خلفاء و مریدین کے ذریعہ دین کی جو ترویج اور اعمال و اخلاق و رسوم کی جو اصلاح ہوئی وہ

مزید برآں ہے اور اس کا کچھ اندازہ آپ کے خلفاء و مریدین کے تذکرے سے ہوگا۔

معمولات و عادات

جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا مقتدی بنا دے اس کی طرف خلاق کاربوع ہو اس پر ہزاروں آدمیوں کی نگاہیں رہتی ہوں اور لوگ اس کے حرکات و سکنات کو غور سے دیکھتے ہوں اور ان کو اختیار کرتے ہوں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خلق محمدی کا اور سنت نبوی کا سراپا ہو، سفر حضر، گھر اور گھر کے باہر کوئی کام اس سے غریب اور سنت کے خلاف نہ ہوتا ہو اور یہ کچھ اس خیال سے نہیں کہ لوگ دیکھتے ہیں یا لوگ کیا کہیں گے بلکہ برسوں کی پابندی، معمولی معمولی چیزوں کے اہتمام اور اللہ کی توفیق سے یہ سب چیزیں طبیعت ثانیہ بن گئی ہوں اور ان کیلئے کچھ زیادہ اہتمام کی ضرورت باقی نہ رہی ہو، تھوڑے وقت کے لیے یا کسی خاص مقام پر تو شخص کے لیے کسی قدرے ممکن ہے مگر شب و روز، جلوت و خلوت میں، سفر و حضر میں وہی شخص اس معیار پر پورے طور پر اتر سکتا ہے، جو اعلیٰ درجہ کا صاحب استقامت ہو اور جس نے اس میں پورا مجاہدہ اور ریاضت کی ہو پھر اس بارہ میں ان لوگوں کی شہادت و قیام نہیں جنہوں نے کسی اجتماع میں یا کسی اہتمام کے موقع پر اس شخص کو دیکھا ہو یا دو چار دن اس کو ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ہو اس بارہ میں اس شخص کی گواہی بڑی قیمت رکھتی ہے جو سفر و حضر کا رفیق، جلوت و خلوت کا شریک، گھر اور باہر کا دیکھنے والا ہو اور طویل مدت تک مختلف حالات و مقامات میں اس کے ساتھ رہنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع بلا ہو، ہم اس موقع پر مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب کا بیان پیش کرتے ہیں، حکیم صاحب مرحوم کے حضرت مولانا پھوپھو چاچھے اور حکیم صاحب آپ کے مکان ہی میں رہتے تھے ان سے کوئی پردہ اور تکلف نہ تھا، ان کو مدتوں آپ کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوتا تھا، آپ نے اپنی کتاب مہر جاناب (فارسی) میں شب و روز اور سفر و حضر کے پورے معمولات و عادات لکھے ہیں اور حتی الامکان کوئی قابل ذکر بات چھوڑی نہیں، یہ سوانح نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے، ہم اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں :

” حضرت مولانا پانچ وقت کی نمازیں ہمیشہ اول وقت پڑھتے اور کبھی جماعت

نہ چھوڑتی، اگر جنگل میں بھی ہوتے تو حضور اقامت کی طرح اذان و اقامت کا اہتمام ہوتا

اور سواک کرنے، قرآن شریف کا ایک مقرر حصہ پڑھنے میں کوئی فرق نہ آتا، صبح ظہر اور شام کی نمازوں کے بعد مریدین و خلفاء و مستفیدین آپ کے حلقہ میں شریک ہوتے اور مراقبہ میں مشغول ہوتے، علالت کے دنوں کے سوا کبھی ناغہ نہ ہوتا، اذکار و اشغال اور اعمال مشائخ کی تربیت میں پوری توجہ مبذول رکھتے، اشراق و چاشت، اوایمن، تیجہ الوضو، تیجہ المسجد عصر و عشاء سے پہلے مستجابات اور تہجد کا التزام تھا۔ تہجد کی نماز اکثر حجاب کے ساتھ اور کتر تنہا پڑھتے لیکن دوسروں سے سوائے ترغیب و تکرہیں کے جو مواعظ میں آپ فرماتے تھے کبھی تاکید و جبر روانہ رکھتے لیکن مستفیدین و ماضرین خود بخود اقتداء کرتے تھے اور جماعت کی صورت ہو جاتی تھی، ہمیشہ تکبیر تحریمیہ کے بعد ناف پر ہاتھ باندھتے کبھی رفع یدین، آمین بالجہر اور فجر کی نماز میں دُعا قنوت نہ پڑھتے نہ اس کی ممانعت میں شدت فرماتے، مزارات پر فاتحہ پڑھا کر نہ پڑھتے نہ سر جھکاتے، مردوں کا کھانا اور ہندو اور اہل تشیع کی دعوت قبول نہ فرماتے اور فرماتے کہ "طعام المیت یمیت القلب جن ناموں سے شرک کی بو آتی جیسے حسین بخش وغیرہ ان سے ممانعت فرماتے، وبا وغیرہ کے زمانہ میں اجتماعی اذان کا جو کہیں رواج ہے اور دعا کے لیے دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھانے سے منع فرماتے، قبر کی کھد کو بند کرنے کے لیے کچی اینٹیں پسند کرتے، الوداع اور عجمی زبانوں کے اشعار کو خطبہ میں پڑھنا پسند نہ کرتے، باجملہ مکروہات تشریحی بلکہ مبہات سے بھی حتی الوسع احتراز کرتے، فرماتے تھے کہ روزہ میں جھوٹ بولنے غیبت کرنے اور برا بھلا کہنے سے اجتناب کیا جائے، اگر کوئی تمہارے سامنے کچھ کہے یا تمہارے ساتھ اس طرح پیش آئے تو اس سے کہو کہ میں روزہ سے ہوں، والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور ہمسایہ کی خبر گیری اور سلوک کی تاکید فرماتے، فرماتے والدین کے انتقال کے بعد اکثر خیرات و صدقہ کیا کرو۔

بِقَضَائِهِ حُبُّ فِي اللَّهِ وَبِقَضَائِهِ نِيَّةُ اللَّهِ (اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے
دشمنی) اور عدل جو ہر کام کو اپنے محل پر کرنے کا نام ہے، جس قدر تمیموں پر شفقت کیے گئے
اور بیوہ عورتوں پر رحم اور بوڑھوں اور ناتوانوں کی امداد و دستگیری فرماتے اور ان کے ساتھ
زرم دلی کا برتاؤ کرتے، اسی قدر ڈاڑھی منڈانے والوں، بے نمازوں اور مشرکین و مقبرین
بالخصوص شرک و بدعت اور دوسرے محرمات شرعی پر اصرار کرنے والوں سے ناخوشنودی
ظاہر فرماتے، ان اعمال کے مرکب کیسے ہی صاحب جاہ و صاحب عزت ہوں ہرگز ان
کے ساتھ تساہل اور مروت نہ کرتے اور ان کے منہ پر اس کام کی مذمت قرآن و حدیث
کے دلائل کے ساتھ فرماتے اور اس کے چھوڑ دینے کا حکم فرماتے بعض مرتبہ ڈاڑھی منڈانے
والے کی ٹھوڑی پر ہاتھ مارتے اور اس کو ملامت کرتے کہ یہ کیا امر شنیع ہے، لایخافون
لَوْمَةَ لَائِمٍ اُن کی شان تھی، کبھی کبھی بڑی بڑی موچھوں، ڈاڑھی منڈانے والوں اور
زُلف درازوں کے بالوں کو خود قینچی سے کاٹ دیتے، خلاصہ یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن
المنکر میں نہایت سخت تھے اور اس بارہ میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے قدم بقدم
تھے کہ زرمی کے موقع پر اتنے زرم تھے کہ گرمی میں دوپہر کو صدقہ کے اونٹوں کو تیل لگا رہا
ہیں اور قحط کے زمانہ میں مساکین کے خرچ کے لیے غلہ کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھانے لیے
جا رہے ہیں اور سختی کے موقع پر اللہ و رسول کے حکم سے ادنیٰ انکار پر شیعہ انتقام نیام سے
نکال لیتے اور یہی عمل کے معنی ہیں۔

حضرت مخدوم زماں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نصیحت کرنے میں اتنے
سخت اور بے پروا کیوں نہ ہوتے جب کہ آپ نے اہل جاہ سے ملنے جلنے کا کبھی ارادہ بھی
نہیں کیا، ان کے یہاں چل کر جانا تو بڑی بات ہے، ان میں سے جو آپ کی خدمت میں حاضر
ہوتا، اگر شیعہ، ہندو یا مشرک یا مبتدع ہوتا تو اس کی صورت بھی دیکھنا آپ پسند نہ کرتے،

اور اُس کو آنے کی اجازت نہ دیتے اور اگر کبھی وہ حاضر ہو جاتے تو سلام میں اب تدار نہ کرتے بلکہ اُن کے سلام کا جواب دینا بھی ناگوار ہوتا اور سب سے پہلے اس کو اس کے فعل یا عقیدہ پر ملامت کرتے اور ترکِ ممنوعات کی نصیحت فرماتے، دوسرے دو تہندوں اور معززین کو بھی جن کا تعلق ان مذاہب و عقائد سے نہ ہوتا، مناسب نصیحت فرماتے اور باقی دوسرے مسلمانوں کو خواہ وہ عام لوگ ہوں ہمیشہ سلام کرنے میں سبقت کرتے اور اُن کے سلام کے جواب میں مطابق آیت قرآنی *واذا حییتوا متبعیة فحیوا باحسن منها* اور *دوہا* *رحمۃ اللہ وبرکاتہ* بھی فرماتے، بڑھوں اور عمر لوگوں کا ادب کرتے تھے یہاں تک کہ اگر شیعہ یا مبدع یا کافر بھی ہوتا تو اس کو ملامت کے ساتھ نصیحت فرماتے، نمازی مسلمانوں سے بڑی خندہ پیشانی اور بشاشت سے ملتے اور اکثر بات مسکرا کر اور خوش کلامی کے ساتھ فرماتے اور کبھی مکدر اور آزرہ نہ ہوتے خواہ کیسا ہی اہم دنیاوی معاملہ ہو، ہاں حکم شرعی کے خلاف کرنے میں ناراض ہو جاتے اور غصہ میں آجاتے۔

صبح سے شام تک اور رات کو بہت تھوڑا اور وہ بھی دل بیدار اور چشمِ خفتہ کے ساتھ سوتے، آپ کی گفتگو یا تو کلامِ الہی ہوتی یا حدیثِ مصطفویٰ یا مواعظِ دل پسند یا نماز و تلاوت یا مراقبہ و تربیتِ عصر کے وقت کتبِ دینیہ کی تدریس میں مشغول ہوتے جیسے فقہ و تفسیر و حدیث۔

برادرانِ دینی کی ضیافت میں سفر و حضر برابر تھا۔ صبح سے شام تک اطراف و اکناف سے جوق جوق لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اس لیے باورچی خانہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، مستفیدین و مریدین ہفتوں مہینوں اور سالوں آپ کے پاس مقیم رہتے اور چاہے کوئی کتنی مدت رہا ہو، مشکل سے اس کو رخصت فرماتے، آپ کی کوئی معین آمدنی نہ تھی، اس وجہ سے کبھی فراغت ہوتی کبھی تنگی، لیکن بہر حالت میں کھانا مہمانوں

کے ساتھ تناول فرماتے، ہر چیز میں خواہ اس کی مقدار ایک تولہ ہی ہو برابر سب مہمانوں اور حاضرین کو تقسیم فرماتے اور انھیں کے برابر اپنا حصہ بھی لیتے، اسی طرح دوسروں کی ضیافت میں بھی جہاں آپ مدعو ہوتے، راستے میں جو بل جاتا اس کو اپنے ساتھ لے لیتے اور اپنے مہمان کی طرح اُس سے وہی سلوک کرتے۔

آواز بلند و غمناک تھی، قرآن مجید کی تلاوت ترتیل و تجوید سے کرتے۔ ہر جمعہ میں نیا خطبہ دیتے اور نیا وعظ فرماتے، بجز خدا عزوجل کے کسی سے نہ ڈرتے، بالجملہ جامع شریعت و طریقت اور عادی معرفت و حقیقت تھے، ہزاروں آدمی بیعت سے مشرف ہوئے اور تربیت ظاہری و باطنی حاصل کی، کثرت سے علمائے ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا، اور خردِ خلافت سے سرفراز ہوئے، اکثر رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے اندر خلا عطا کرنے اور دولتِ باطنی بخشنے کا معمول تھا، جب پورا قرآن شریف ایک رات میں کھڑے ہو کر سنتے، دوسری راتوں میں کبھی تراویح اور کبھی تہجد میں اس کی نوبت نہ آتی۔

حلیہ و لباس

زنگ مبارک ترکوں کی طرح سُرخ و سفید تھا، ڈاڑھی گھنی اور دراز جس میں کبھی پچی استعمال نہیں ہوتی

بلند بینی، متوسط چشم، فرہ اندام، دھوی المزاج میاں قد تھے۔

لباس، کُرتا اور شرعی پانجامہ تھا جو نیم ساق تک رہتا، کُرتے کا چاک آگے کو ہوتا تھا، عمامہ متوسط شکل

کے ساتھ، حج کے بعد صدری اور گرمی میں سفید جُتہ اور سردی میں سیاہ یا سنراونی جُتہ، کشادہ آستین استعمال کرتے

تھے، عیدین میں کبھی سیاہ عمامہ باندھتے جو اُن پر بہت ہی زیب دیتا۔

وفات

محققین صوفیہ نے کہا ہے الاستقامة فوق الكرامة ہر چند کہ سوانح نگاروں نے آپ کے کشف و کرامات بھی لکھے ہیں لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کی وہ بے نظیر استقامت ہے جس کا کچھ اندازہ آپ کے معمولات و عادات سے ہوتا ہے لیکن اس کا سب سے بڑا نمونہ آپ کے مرض موت میں نظر آتا ہے، جس وقت کہ انسان کا جسمانی اور ذہنی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، وہ سخت جسمانی اور ذہنی تکلیف میں ہوتا ہے اور لوگوں کو عموماً ایسی حالت میں اپنی زندگی یا عارضی راحت و سکون یا آخر میں اولاد کے سوا کوئی فکر نہیں ہوتی، اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے سکون و اطمینان اور مجموعی میں کوئی فرق نہیں ہے، اس وقت بھی اللہ اور اللہ کے دین اور اللہ کے بندوں کی دینی خدمت اور ہدایت کے سوا کوئی فکر نہیں اور اس نازک بیش قیمت اور آخری وقت کا ایک لمحہ بھی آپ کسی اور شغل میں صرف نہیں کرتے، ایک ایک سنت کا آپ کو خیال ہے کہ سلطنتیں اور خزانے اس کے سامنے ہیچ معلوم ہوتے ہیں، جسم ناتواں اور بیماریوں سے زار و زار ہے لیکن قلب پوری توانائی کے ساتھ اپنے خالق کی طرف متوجہ اور بندوں کو فیض پہنچانے میں مشغول ہے۔ یہ وفات کی کرامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر کرامت ہے

منفصل رُوداد مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب کی زبان سے سُنئے :

”حضرت دموی المزاج تھے، ایک مرتبہ خدا کی مشیت سے ضعف بہت ہو گیا خدام کی مجلس میں آپ نے اس کا ذکر فرمایا، ایک ناواقف نے قصداً نہیں بلکہ قوت پیدا کرنے کے خیال سے ناواقفیت کی بنا پر کشتوں کے قسم کی کوئی دوا دے دی، حضرت نے نوش فرمائی، انہیں مہینوں میں کچھ انڈوں کا استعمال بھی زیادہ ہوا، اس کی حرارت سے خون میں کچھ جوش پیدا ہو گیا اور چند دنوں میں بہت بڑھ گیا لیکن مسہلات اور مناسب تریاکیروں سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ شکایت زائل ہو گئی اور آپ کو آرام ہو گیا، عین سہل کے زمانہ میں ہیفیض پھیل گیا، سہل ہیفیض میں تبدیل ہو گیا، کئی سو کی تعداد میں اسہال کی نوبت آئی

اور صحت سے یا یوسی ہو گئی لیکن فعل الحکیم لایخلو عن الحکمتہ۔ اس مہینہ اور اس سال سے اصلی مرض کا مادہ خارج ہو گیا اور مکمل صحت ہو گئی، کچھ دنوں کے بعد قوت بھی آگئی، لیکن کافی مدت تک وطن میں قیام کرنے کے بعد، خدام کی درخواست پر پورب کے نواح کا سفر اختیار فرمایا اور اس میں اس مرض کے اثرات سے پورا پرہیز اور احتیاط نہ ہو سکی اور دوسرے سال پھر اس نے عود کیا، اگرچہ اس اعادہ میں بھی بہت سی مناسبتیں اور عمل میں لائی گئیں اور سیکڑوں روپیہ صرف ہوا لیکن مرض باوجود اس کے کہ اس کا بڑا حصہ زائل ہو گیا تھا لیکن اس کا مادہ زائل نہیں ہوا اور صحت نہیں ہو سکی یہاں تک کہ یکشنبہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۹ھ سے غذا بالکل ترک ہو گئی اور دوا کا استعمال بھی چھوٹ گیا، دونوں سے بے رغبتی پیدا ہو گئی، اسی روز سے مرض کی زیادتی کے باوجود سلطان الذکر باری ہو گیا، یہاں تک کہ لطائف شہ میں سے ہر عضو حرکت میں آ گیا اور باجہ جسم شہ رین میں عضو معلوم ہوتا تھا کہ اڑ رہے ہیں، قلب کی حرکت سب سے زیادہ تھی اور اسی وجہ سے تمام اعضا میں شدت سے درد پیدا ہو گیا اگرچہ یہ حالت دو تین روز رہی لیکن انتقال کا وقت جتنا قریب آتا گیا، حرکت اور درد بڑھتا گیا یہاں تک کہ سہ شنبہ ۳۰ جمادی الاولیٰ کو ان باتوں میں انتہا درجہ کی زیادتی اور شدت پیدا ہو گئی، دل کی جگہ دونوں ہاتھوں سے تھامے بغیر چارہ نہ تھا لیکن مضبوط تھامنے کے باوجود حرکت کی تیزی اور قوت کی وجہ سے ہاتھ پھسل پھسل جاتا تھا، مریدین کو اس روز عجیب کیفیت حاصل ہو رہی تھی، اس روز صبح سے حضرت کی توجہ بڑی قوت کے ساتھ ان لوگوں پر تھی اور بہر شخص اپنے درجہ کے مطابق اس سے حظ لے رہا تھا، انتقال کے روز قبلہ سے آپ کا رخ بیٹنے نہیں پاتا تھا اگرچہ وہ بھی خواہ جو باطن سے بے خبر تھے درد کے کم ہو جانے کے خیال سے مشرق کی طرف آرام فرمانے کو عرض کرتے تھے، مگر

آپ قبلہ سے رُخ نہ سہاتے، نماز اشراق کے بعد جو شخص بھی عبادت کے لیے آیا اُس کو آپ نے اللہ و رسولؐ کے اتباع کی وصیت فرمائی۔

سب سے پہلے آپ نے اپنے بھتیجے مولوی سید احمد حسن کو اللہ و رسولؐ کی اتباع کی تاکیدیں فرمائیں اور فرمایا کہ تم کو خدا تعالیٰ کے سپرد کیا پھر خواجہ محمد فیض اللہ صاحب سے جو آپ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے فرمایا کہ تم معمول کے مطابق اول وقت اذان دینا اور نوافل و اُوراد پر مداومت رکھنا اور جو ذکر و شغل تم نے سیکھا ہے اُس میں ذاکر شاغل رہنا اور دوسروں کو اُن کے سکھانے میں کوتاہی نہ کرنا، تم کو میں پہچانتا ہوں، دوسرا تمہاری قدر نہیں جان سکتا، علماء ظاہر تو بہت ہیں اہل باطن کا دستیاب ہو مشکل ہے، اسی طرح ہر ایک کو اس کی لیاقت کے موافق وصیتیں فرمائیں اور اپنا ہاتھ اپنے خادم خاص اللہ یارِ خاں پر رکھ کر فرمایا کہ تم نے حق خدمت ادا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، میری اولاد بھی اگر خدمت کرتی تو اس سے زیادہ نہ کرتی، میں تم سے بہت خوش ہوں، تم خیر فلاح کی اُمید رکھو، لوگ ان وصیتوں کو سن کر اور یہ حالت دیکھ کر رونے لگے، حضرت نے ان کو تسلی دی اور فرمایا پریشان خاطر مت ہو اور اللہ سے اُمید منقطع نہ کرو چونکہ پہلے سے وصیت کر دینا مستحب ہے اس لیے یہ چند کلمے میں نے کہے ورنہ یوں میری طبیعت اچھی ہے، اگر کوئی مزاج پزیر کرتا تو باوجود سکرات موت کے اور استغفار و دُعا و کلمہ کے سوا کوئی لفظ زبان پر نہ آتا، اس وقت یہ الفاظ بھی زبان مبارک پر آتے تھے: شکر ہے، احسان ہے، عنایت ہے، یا اللہ خیر! اس وقت جو شخص عبادت کے لیے آتا، اس سے مصافحہ فرماتے اور اس کا حال اور کیفیت مزاج اچھی طرح دریافت کرتے اور اسی طرح رخصت کرتے، اشراق کے بعد سے بار بار ظہر کے وقت کو دریافت کرتے اور صبح سے قبضِ روح تک ارشاد و ہدایت میں مشغول تھے،

حاضرین کو نصیحت فرماتے اور جو بیعت کا ارادہ رکھتا اس سے بیعت لیتے چنانچہ چالیس آدمی کئی دفعہ کر کے اس روز بیعت ہوئے، جو شخص کسی مرض باطنی میں مبتلا تھا اس کو اس کے ازالہ کی نصیحتیں فرماتے اور باوجود شدت مرض، ضعف اور سکرات موت کے دونوں طریقوں کے مطابق بیعت لیتے یعنی ایک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے بیعت لینے کا طریقہ کہ اس میں بہت سے الفاظ ہیں دوسرے حضرت سید احمد قدس سرہ کا طریقہ جس میں اختصار ہے بعض مخلصین نے آپ کے ضعف کو دیکھ کر عرض کیا کہ اس وقت مختصر طریقہ پر بیعت لیں، فرمایا انشاء اللہ دونوں طریقوں پر بیعت لوں گا، چنانچہ سید وجیہ الدین وغیرہ سے اسی طریقہ پر بیعت لی، اس کے بعد طریقہ دوم پر اقتصار فرمایا، لوگوں نے دونوں صاحبزادوں سید خلیل الرحمن اور سید عبداللہ اور دوسرے عزیزوں کے بچوں کو پیش کیا، حضرت نے فرمایا، بیعت کی تین قسمیں ہیں، بیعت توبہ، بیعت ارشاد اور بیعت تبرک، بچوں کے حق میں بیعت تبرک ہے اور دوسروں کے حق میں بیعت توبہ اور بیعت ارشاد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بچہ کو سرور بکانت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے پیش کیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بیعت نہیں لی، دست مبارک اس کے سر پر پھیرا اور دعا برکت فرمائی، دوسری بار ایک آٹھ سال کے لڑکے کو پیش کیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بیعت لی، جیسے کہ القول مجمل میں مذکور ہے اگر کسی کو شک ہو دیکھ لے، ایک مرید نے عرض کیا کہ جناب کے فرمانے میں کس کو شک ہو سکتا ہے فرمایا نہیں اگر کسی کو شک ہو دیکھ لے، اس کے بعد لڑکوں سے بیعت لی۔

عم محترم مولوی سید عبدالوہاب مرحوم نے بڑے صاحبزادے سید خلیل الرحمن کو خلافت عطا فرمانے کے لیے عرض کیا حضرت نے ان کی کم عمری کو دیکھتے ہوئے انکار

فرمایا اور کہا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ پایا وہ تیسرے خلیل الرحمن، تیسرے عبد اللہ اور تیسرے مقتدی (جو آپ کے بڑے بھتیجے تھے) کو دیا، باقی جو صلاح اور لائق ہوگا اس کو ان امور کی اجازت ہے، المختصر نظر سے دو گھنٹے پہلے نغی و اثبات کی ضربیں آواز بلند اور پورے اطمینان کے ساتھ پیدا ہو گئیں، ظہر کی اذان کے قریب مولوی احمد حسن کو یاد فرمایا اور حاضر رہنے کی ہدایت کی، ظہر کا وقت ہو جانے کے بعد چار رکعت فرض سورہ کوثر و اخلاص سے اللہ یار خاں خادم کی گود میں تکبیر کے سہارے پورے اطمینان کے ساتھ ادا فرمائی، سر مبارک کچھ دیر تک اللہ یار خاں کی گود میں رہا، باوجود اس کے کہ حاضرین نے دو تین مرتبہ خان موصوف سے کہا کہ نماز پڑھ آؤ دوسرا آدمی بیٹھ جائے گا لیکن حضرت اس بارہ میں خاموش رہے، جس وقت مولوی احمد حسن نے نماز کی اجازت چاہی، فرمایا جلد آنا جب وہ واپس آگئے تو اللہ یار خاں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب آدمی مر جائے اس کے دونوں ہاتھ اس کے پلوؤں میں سیدھے سیدھے رکھ دینے چاہئیں، اس کی آنکھیں بند کر دینی چاہئیں اور اس کے دونوں پاؤں کو بستر پر سیدھا کر دینا چاہیے اور پاؤں کے انگوٹھوں کو باندھ دینا چاہیے، ڈاڑھی کو کپڑے کے ٹکڑے سے باندھ دینا چاہیے، اس تقریر سے مولوی تیسرے عبد الوہاب نے کہا (جو حضرت کے بڑے نسبتی بھائی تھے) کہ آپ ایسی گفتگو کیوں فرماتے ہیں، لگ رہے ہیں اور موسم ہوتے ہیں۔ فرمایا یہ مسئلہ بیان کر رہا ہوں، اسی آثار میں دو عورتوں نے بیعت کی درخواست کی، آپ نے اس کو عصر پر طوی رکھا، پھر فرمایا کہ جلد ہاتھ میں ہاتھ دو پھر چند کلمات نصیحت آئینہ نماز روزہ کی پابندی، لڑائی جھگڑے سے بچنے اور شرک و بدعات کے چھوڑنے کی تاکید میں فرمائے اور فرمایا کہ مہلت زیادہ نہیں ہے، پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے گھر میں رسوم بدعات جیسے سہ ماہی چلم وغیرہ کچھ نہیں ہوتی، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیروی ضرور پیش نظر رہنی چاہیے، اسی اشارہ میں برادرِ سید محمد ایوب نے پھر اشد یار
 خاں کو نماز کی یاد دہانی کی، حضرت نے فرمایا معاملہ درست ہو گیا، پھر محمد مصطفیٰ خاں
 حاجی نعمت اللہ (جو آپ کے مریدین میں سے ہیں) کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو اور
 دوسرے برادرانِ دینی کو علی العموم سلام علیک کہنا پھر اشد یار خاں کی گود چھوڑ دی
 پاؤں پھیلا دیے، بدن بستر پر رکھ دیا اور فرمایا دروازہ کھول دو، لوگوں کو باہر کر دو
 اب کوئی مجھ سے مخاطب نہ ہو کہ اس وقت میں اللہ کے ساتھ مواجہہ میں ہوں، پھر
 لب مبارک کو ایک دو بار جنبش ہوئی اور رُوح مقدس کجال بے تعلقی شاداں فرما
 اوج فردوس کی طرف پرواز کر گئی اور مضمون کلام الموت جس یوصل الجیب
 الی الجیب "ظاہر ہوا" انا للہ وانا الیہ راجعون"

مسجد کے متصل حضرت سید خواجہ دیوان احمد کے روضہ میں دروازے

کے متصل دفن ہوئے۔ (مہر جہاں تاب ص ۴۷)

اڑتالیس سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، ولادت، جمادی الثانیہ ۱۲۲۱ھ

وفات ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۹ھ۔

مریدین و خلفاء

آپ کے خلفاء و مریدین میں سے چند اصحاب کے نام لکھے جاتے ہیں، حافظ مولوی محمد ضبید بن حضرت

مولانا سخاوت علی، مولوی فیض اللہ ساکن ٹو، مولوی احمد علی سرہندی از اولاد حضرت مجدد، مولوی محمد شبلی برادر

اصغر مولوی محمد ضبید، حاجی مولوی بخشش احمد گوہر پوری، مولانا حافظ عبد العلی گرامی، مولانا شیخ محمد پٹی شہری،

مولوی سید احمد حسن برادر زادہ و شاگرد حضرت مرحوم، خواجہ محمد فیض اللہ اوزنگ آبادی بجنوری، مولوی سید عبدالوہاب

بن سید عبد الباقی بریلوی، سید سراج احمد شہید بن سید بربری نصیر آبادی، حکیم سید محمد اسلم شہید، سید قطب الہدیٰ

بن سید نور الہدیٰ نصیر آبادی، مولانا سید محمد عرفان بن سید محمد یوسف، حضرت سید شاہ ضیاء النبی رائے بریلوی،

مولوی حکیم سید فخر الدین خیالی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان میں سے چار بزرگوں کا (جن کے حالات بل سکتے ہیں) مختصر تذکرہ درج کیا جاتا ہے جن سے شیخ کی عظمت اور ان کی صحبت و تربیت کی تاثیر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۵
قیاس کن زگلستان من بہار مرا

خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادیؒ

حضرت سید آدم بنوریؒ کے شہسپہ تھے، علم ظاہر کے اعتبار سے ناخواندہ لیکن علم باطن اور معرفت و سلوک میں کامل البصاعت تھے اور اپنے شیخ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے، اورنگ آباد بجنور (ضلع مکھنوا) کے رہنے والے چودہ سال تک مُرشدِ کامل کی خدمت میں شب و روز رہے اور فیض حاصل کیا، متوکل درویش مجرب، دمِ آخر تک استقامتِ شریعت میں مُرشد کے قدم بقدم تھے، جب سے اپنے شیخ سے ملے تمام تعلقات ترک کر کے وہیں کے ہو رہے، شیخ کی زندگی میں ان کے حکم سے مستفیدین آپ کے حلقہ مراقبہ میں شامل ہوتے اور تربیت حاصل کرتے، مولوی سید فخر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ بارہامیری موجودگی میں حضرت نے فرمایا کہ خواجہ صاحب مجھ سے بڑھ کر ہیں ان کا مرتبہ میں جانتا ہوں، اس مرتبہ کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا خواجہ احمد صاحب کی وفات کے بعد حضرت سید شاہ ضیاء النبی صاحبؒ نے خواجہ صاحب سے تربیت حاصل کی اور اپنی تکمیل کی ۱۲۹۶ھ میں دائرہ شاہ علم اللہ میں مسجد کے متصل چبوترہ پر سے گر کر جاں بحق تسلیم ہوئے، نہتال کے وقت سلطان الذکر جاری تھا۔

حضرت سید شاہ ضیاء النبیؒ

مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ نزہتہ الخواطر (عربی) کی آٹھویں جلد میں ان کا تذکرہ کرتے

ہوئے لکھتے ہیں :

” حضرت سید ضیاء النبوی مولوی سید سعید الدین کے صاحبزادہ قطب الاقطاب شیخ اجل حضرت سید شاہ علم اللہ نقشبندی کی چھٹی پشت میں ہیں، دنیا کی برکت خلقت انسانی کے مقصدِ کامل وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون کی عملی تفسیر اور معرفت کے لب لباب تھے، ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، رائے بریلی میں اپنے جدِ امجد حضرت شاہ علم اللہ کے دائرہ میں ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے اسیاط و نگہداشت، عفت و طہارت اور لہیت میں نشوونما ہوا، کچھ ابتدائی تعلیم رائے بریلی میں حاصل کی پھر پیدل دہلی کا سفر کیا، بیس دن میں پہنچے، حضرت شاہ احمد سعید اور مولانا شاہ عبدالغنی صاحب کا زمانہ تھا، انہیں کی خالقاہ (مجدویہ) میں قیام کیا، دو سال ٹھیر کر لکھنؤ گئے، دبیر الدولہ کی مسجد میں مفتی سعد اللہ صاحب مراد آبادی کے پاس قیام کیا اور ان سے اور بعض دوسرے علمائے کچھ درسی کتابیں پڑھیں پھر وطن واپس تشریف لائے اور مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے، پھر وطن واپس آئے ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادی سے مزید تربیت حاصل کی اور ان کے مجاز طریقت ہوئے

۱۲۹۳ھ میں حج سے مشرف ہوئے حج سے واپسی پر علماء و مشائخ کا بکثرت رجوع ہوا اور انہوں نے حاضر ہو کر طریقت کی تعلیم اور فیوض روحانی حاصل کیے، مریدین میں سے مولانا ابوالخیر مکی جو بنوری ابن مولانا سخاوت علی، مولانا محمد بردوانی، مولانا محمد ابراہیم آروی صاحب مصنف طریق النجاة، مولانا عبدالقادر بن عبداللہ ساکن سہو، مولانا سید محمد امین نصیر آبادی وغیرہ ہیں، راقم الحروف کو بھی صحبت کی سعادت حاصل ہوئی ہے میں نے آپ سے طریقہ احسنیہ کی تعلیم حاصل کی اور بعض ابتدائی کتابیں بھی پڑھنے کا

شرف حاصل ہے، آپ کو مجھ سے بڑی محبت تھی اور مجھ پر نہایت شفقت فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہندوستان کے اساتذہ حدیث کی خدمت میں حاضر ہونے کی توفیق بخشی اور وطن واپس ہوا تو آپ نے مجھے حسن حصین سنائی اور اس کی اجازت لی، یہ میرے لیے اتنا بڑا فخر اور اتنی بڑی سعادت ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری مغفرت فرادے۔ (زہرہ الخواطر)

حضرت سید ضیاء البنی رحمۃ اللہ علیہ کے دینی امتیاز کو بیان کرنے کے لیے (مشہور حدیث قدسی کے الفاظ) "قرب بالقرآن" سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی، اخلاص و استقامت، قرآن ادا کرنے کا اہتمام عبادت میں خشوع و خضوع، نماز و تلاوت کا سچا عشق اور ان میں محویت اور استغراق یہ ان کا امتیاز تھا اور اسی امتیاز نے ان کا انبار زمانہ میں بہت ممتاز کر دیا تھا، ان کے خشوع فی الصلوٰۃ کے قفسے سن کر اکابر سلف کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ مولوی سید فخر الدین صاحب جو ان کے عزیز اور برادر طریقت ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بغایت التفات بحضرت حق و اتباع سنت حضرت رسول مقبول بکار ما نہ پردازد و غیر از ذکر و اشغال و مراقبہ و اوراد و نوافل صومی و صلوٰتی و التزام عبادت و حضور مسجد و اوائل اوقات صلوٰۃ کارے ندارد، از بدو شعور و پیش از ارادت مجتنب از منہیات و مستعد بطاعات بودہ است و در عبادات نہایت اخلاص و در نماز خشوع و خضوع و طمانیت و در صوم و غیر آن نیز و پرہیز از غیبت و کذب نصیب اوست۔" (مہر جانات ص ۱۷۷)

"سیرۃ السادات" میں لکھتے ہیں :

"امروز در اتباع حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم و سلوک بطریقہ آباء عظام خود در خاندان خویش نظیر ندارد سوار قال اللہ و قال الرسول و ذکر خیر و نصح در صحبت شاہ چہرے نیست و یک نماز خواندہ منتظر نماز دیگر می باشد کہ علامت

اولیاست، و خشوع و خضوعیکہ امروز در نماز اوشان راست بنظر نمی آید و در کار
شرعی رعایت کے نڈازندگو ہمہ عزیز باشند بسیارے از علمار و سادات و شیوخ از
دور و نزدیک بزکیہ رسیدہ از حضرت ایشان فیضہامی ربانید و بیعت کردہ و تکمیل خود
در سلوک می نمایند حق است کہ دریں زمانہ نام بردار از بزرگان و اسلاف این خاندان بجز
ایشان نماندہ او تم در عمر ایشان برکت دہد و سایہ ایشان بر سر ما آویر بردارو۔“

تربیت سلوک اور فیض باطنی میں شیخ کامل تھے، نسبت قوی اور توجہ بڑی موثر تھی، قوت نسبت اور
تأثیر کے واقعات آپ کے مریدین و مستفیدین بیان کرتے ہیں، مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ جو خود شاخ ہندوستان
سے فیضیاب اور علم باطن میں صاحب بصیرت تھے، فرماتے تھے کہ :

” حضرت شاہ ضیاء النبی اور جناب والد ماجد (حضرت سید فخر الدین صاحب
مہر جہانات) کی توجہ سے جو مدارج گھنٹوں میں حاصل ہوئے وہ اور طریق کے مطابق
برسوں میں نہ حاصل ہوئے۔ بات یہ ہے کہ حضرت سید صاحب (شہید رحمۃ اللہ علیہ) کو
درگاہ خداوندی سے جو مجددیت کا شرف حاصل ہوا تھا اس کا منشا یہی تھا کہ اس متدن
زمانہ کے کثیر الاشغال و ضعیف البنیان نفوس کے لیے سلوک راہ عبودیت کو آسان بنا
دیا جائے۔“ (تاریخ عجرات ترجمہ مصنف)

آپ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی سے جو نفع پہنچا اور عقائد و اعمال کی جو
اصلاح ہوئی، اُس کے اثرات رائے بریلی، پرتاب گڑھ، سلطانپور، جو پور، اعظم گڑھ کے قصبات و دیہاتوں میں
دیکھے جاسکتے ہیں، اُن کے مریدین میں جو شرع و استقامت، و انبض کی پابندی اور دینی سختگی ہے، اس کی مثال
کم ملے گی، گو جر قوم کی اصلاح و تربیت اُن کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے، آپ اپنے زمانہ میں حضرت مولانا سید خوجا
احمد نصیر آبادی کے (جن سے آپ حضرت سید ضیاء النبی کے واسطے سے بیعت ہیں) جانشین اور اُن کے نمونہ
کامل تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں آپ اپنے زمانہ کے

امام تھے۔ (تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو یادگار سلف مولفہ مولانا نجم الدین صاحبی)

مولانا سید محمد عرفان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید احمد شہید کے حقیقی نواسہ تھے، والد کا نام سید محمد یوسف تھا جو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے سید محمد یعقوب کے صاحبزادے تھے، ۱۲۶۵ھ میں ٹونک میں ولادت ہوئی، مختصرات، ٹونک کے علماء اساتذہ سے پڑھیں پھر دیوبند کا سفر کیا اور بعض درسی کتابیں مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، دیوبند سے بھوپال گئے اور باقی کتابیں مولانا قاضی عبدالحق کابلی سے ختم کیں، صحاح ستہ کا درس مولانا مفتی عبد القیوم ابن مولانا عبدالحق بڈہانوی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا نیز شیخ حسین بن محسن الانصاری الہامانی سے حدیث کی اجازت لی، پھر دہلی تشریف لے گئے، مولانا سید زبیر حسین کے درس میں شریک ہوئے اور اجازت حاصل کی، پھر سہارنپور جا کر مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے ادب پڑھا، پھر ٹونک واپس تشریف لائے، ریاست کی طرف سے ان تینوں بھائیوں (مولانا سید محمد عرفان، حضرت سید محمد مصطفیٰ اور حافظ محمد یونس) کی جاگیر تھی اور حضرت سید صاحب سے قریب ترین تعلق، پھر مولانا سید عرفان اور حضرت سید مصطفیٰ کے زہد و تقویٰ و جلالتِ شان کی وجہ سے ریاست میں ان کا بڑا احترام اور وقار تھا، عبادت، خدمتِ خلق، صلہ ارحام اور مطالعہ کتب اور علمی و دینی مشاغل میں زندگی گزار کر ۲۳ ذی الحجہ میں انتقال کیا۔

بیعت مولانا سید خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تھی، ان کی وفات کے بعد سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ

سے استفادہ کیا۔

مولانا سید عرفان اس دورِ آخر میں سلفِ اولین کا جامع نمونہ تھے جن لوگوں نے ان کو دیکھا ہے اور ان کے ساتھ کچھ دن رہنے کا اتفاق ہوا ہے وہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ ہم نے اخلاق و شمائلِ نبوی کا ایک زندہ نمونہ اور سنت کا ایک چلتا پھرتا اور بولتا صحیفہ دیکھا ہے، اتباعِ سنت اور اس کے التزام و اہتمام، حسنِ اخلاق، صلہ رحمی اور حقوقِ شناسی اور تواضع و فروتنی میں اپنی مثال آپ تھے، جو سنن اور معمولاتِ حدیث سے ثابت

ہیں ان کی ہمیشہ محافظت فرماتے اور ان سے کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہوتا، احکام شریعت میں سے (عام دینداروں اور عابدوں کی طرح) صرف عبادات و نوافل ہی کا اہتمام نہ تھا بلکہ اخلاق و معاملات اور حقوق و فرائض کی پابندی کا بھی یہی حال تھا، ہمسایہ کا جتنا خیال اور اس کے حقوق کی جتنی نگہداشت، اس کے ساتھ جتنا سلوک اور امداد فرماتے اس زمانہ میں کم دیکھنے اور سننے میں آیا ہے، عید الاضحیٰ میں ہمسایہ کی طرف سے قربانی تک کرتے، بعض مرتبہ آپ کو دریافت کرتے سنا گیا ہے کہ میاں قربانی کا جانور لوگے یا اس کی قیمت، جائداد بھائیوں اور بہنوں میں مشترک تھی، آپ ہی منتظم تھے، ہر ہر چیز شریعت کے مطابق تقسیم کرتے، یہاں تک کہ کھڑیاں اور ایلے بھی حصہ شرعی کے مطابق ہر ایک کو پہنچاتے، مہانوں کی کثرت اور لوگوں کی اعانت کی وجہ سے باوجود معقول جائداد کے زیر بار بھی رہتے اور عسرویسردوں سے سابقہ پڑتا، ایک مرتبہ ایک بڑی بی بی جن کے گھر میں آمدورفت تھی اور آپ ان کی کچھ امداد فرماتے تھے، گھر کے کچھ برتن چرا کر لے گئیں، گھر والوں نے آپ کو ملامت کی اور ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا، آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور کچھ روپیہ ان کو دے کر معذرت کی کہ ہم سے خدمت کرنے میں کوتاہی ہوئی یہ رقم قبول کیجئے اور برتن واپس کر دیجئے تاکہ آپ کی بدنامی نہ ہو، اعزہ کے حقوق کا بڑا کھانا تھا، ہر ایک کی قرابت اور اس کے حقوق کے مطابق اور ہر ایک کے درجہ کے موافق اس سے بڑاؤ اور سلوک کرتے اور اس بارہ میں بڑے صلہ و بڑی حق شناسی سے کام لیتے اور اس کی بڑی جستجو اور فکر رکھتے اور بڑا اہتمام کرتے، اگرچہ رئیس اور اعیان ریاست آپ کا مخدوم (مرشد زادوں کی طرح احترام اور اعزاز کرتے تھے مگر آپ کو اپنی کسی بڑائی اور فضیلت کا شعور نہ تھا شہر میں اگر کوئی ذی علم آدمی آتا تو آپ اس سے ملنے میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے، اس کے آنے سے پہلے اس کی جائے قیام پر جاتے اور فرماتے "القادم یزار" اگر کسی مسئلہ میں اشکال ہو یا تحقیق کی ضرورت ہوتی تو کسی عالم سے بے تکلف دریافت کر لیتے، بعض اوقات اپنے کسی کم عمر عالم سے پوچھ لیتے، خود عالیاں بکھیرتے تھے لیکن حنفی علماء سے پوچھنے میں آپ کو تامل نہ ہوتا تھا، تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ رائے بریلی تشریف لائے ملازم بیمار ہو گیا، اس کا قارورہ اپنے ہاتھ میں لے کر شہر (جو تھیکہ سے فاصلہ پر ہے) حکیم صاحب کے یہاں لے گئے، رقت اور خشیت کا یہ حال تھا کہ عم محترم مولوی سید اسماعیل صاحب (فرزند نبیرہ حضرت سید احمد شہید) بیان کرتے

ہیں کہ ایک مرتبہ عید کی چاند رات کو آدھی رات کے وقت ایک شخص کی درزاک آواز کے ساتھ رونے کی آواز آئی، اور یہ معلوم ہوا کہ وہ روتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا، معلوم ہوا کہ مولانا سید عرفان تھے اور رمضان المبارک کے اختتام پر اس درد سے روتے تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بڑا دانشور اور موثر طریقہ اختیار فرماتے اور ہمیشہ اس حکمت اور موعظہ حسنہ سے یہ فرض ادا کرتے کہ سُننے والے کے دل میں آپ کی بات گڑ جاتی اور وہ اپنی غلطی پر اصرار نہ کرانے اس کو غصہ آتا، بعض اوقات تنہائی میں لے جا کر بڑے درد و اخلاص سے سمجھاتے، ایک مرتبہ نواب ابراہیم خاں والی ریاست ٹونک کا پانچاڑ ٹخنوں سے نیچا تھا، آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک ٹوپی کے کپڑے کی ضرورت ہے، نواب صاحب نے فرمایا کہ تھان حاضر ہیں، آپ نے کہا کہ نہیں جتنا کپڑا آپ کے ٹخنے سے نیچا ہے اسی میں میری ٹوپی بن جائے گی، خلاف شرع وضع و صورت کو سخت ناپسند فرماتے اور ملامت کے ساتھ نصیحت فرماتے رہتے اور اکثر اس موقع پر یہ آیت تلاوت فرماتے اور اس سے ظاہر کی اہمیت پر استدلال کرتے، وذر و اظہر الاثم و باطنہ فرماتے دیکھو ظاہر کو اللہ نے مقدم کیا ہے۔

ان فضائل دینی کے ساتھ عربی ادب و شاعری کا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور شعر گوئی پر اچھی قدرت تھی شعرا صاف رواں اور بے ساختہ ہوتے تھے بعض مرتبہ بڑی بے تکلفی سے آیات و الفاظ قرآنی کی تضمین ہوئی، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے آپ سے خواہش کی تھی کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادب کی تعلیم دیں اور ادیب کا عہدہ قبول فرمایا آپ نے اپنے استغناء میں اس کو منظور نہیں کیا۔

حضرت سید مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ

یادش بخیر حضرت سید مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہید کے گھر کے چشم و چراغ اور زہد و ورع اور اتباع سنت میں سلف صالحین کی یادگار تھے، حضرت سید شہید کے حقیقی نواسہ اور مولانا سید عرفان کے چھوٹے بھائی تھے، ان کے حالات و اخلاق کے لیے ایک مستقل رسالہ درکار ہے، ان کا مرتبہ پہچاننے کے لیے مولانا سید عبدالحی کی شہادت کافی ہوگی جو مورخانہ احتیاط اور اعتماد میں اپنے زمانہ کے ابن خلیکان تھے، معرفت رجال میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بصیرت

عطا فرمائی تھی، اُن کے کسی کی تعریف میں دو چار جملے صفحوں پر بھاری نہیں۔ نہ ہتہ الخواطر کی آٹھویں جلد میں مولانا سید مصطفیٰ کا تذکرہ ملاحظہ ہو :

(ترجمہ) سید شریف، علامہ عقیف مصطفیٰ، سید محمد یعقوب صاحب کے بیٹے ہیں جو سید ابراہیم کے بیٹے تھے جو سید عرفان (والد سید احمد شہید) کے بیٹے تھے، آپ کی ولایت اور عظمت پر سب کا اتفاق ہے، محل وطن رائے بریلی تھا، وطن ثانی ٹونک ہے وہیں وفات پائی اور شوہنا ہوا، پہلے قرآن مجید حفظ کیا پھر کچھ مدت تک مولوی عبدالغفور صاحب نحوی ٹونکی سے عربی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ نے ٹونک سے باہر کا سفر کیا اور مولانا امیر حسن سہوانی کے صاحبزادہ مولانا امیر احمد سے اور علامہ عبدالحیٰ فرنگی محلی سے درسیات کی تعلیم حاصل کی، حدیث کا علم مولانا نذیر حسین محدث دہلوی سے حاصل کیا پھر وطن واپس آئے اور ایک مدت تک درس دیا اور فائدہ پہنچایا، پھر حرمین شریفین کا سفر کیا، حج و زیارت کی اور حجاز میں ایک سال مکمل قیام فرمایا۔

حضرت مرحوم نہایت فراخ سینہ، کشادہ دست، فیاض، خدا کے خوف میں کثرت سے رونے والے درد مند، پُرسوز تھے، علماء اور صوفیوں کے لباس کے عادی نہ تھے، بڑا عامہ اور لائبرائی آستینوں کی عادت نہ تھی، حدیث شریف ہی پر عمل کرتے تھے، ہمارے اُستاد حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی باوجودیکہ مذہب حنفی میں بہت سخت تھے مگر حضرت سید مصطفیٰ کا تقویٰ و احتیاط دیکھ کر فرماتے تھے کہ مولانا سید مصطفیٰ جیسے آدمی کے لیے جائز ہے کہ حدیث کا خود تتبع کرے اور اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرے۔

مختصراً آپ اللہ کی طرف توجہ و التفات میں، عبادت میں مشغولیت اور اپنی قلبیت میں یگانہ روزگار اور فرد زمانہ تھے، علم و عمل کی جامعیت زہد و تواضع، حسن سلوک اور تہذیب و اخلاق، دینی رہبری اور حق کے راستوں کی طرف رہنمائی اور ضرورت مندوں

کی امداد و اعانت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کر دی تھی، ورع میں میری آنکھوں نے آپ کی نظیر نہیں دیکھی اور اتباع سنت میں مجھے آپ کا ہمسر نہ ملا۔

آپ ہمارے حضرت تید احمد شہید کے نواسہ تھے، چار شنبہ ۲۴ شعبان ۱۲۹۰ھ

کو انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ و نفعنا ببرکاتہ“

حضرت تید مصطفیٰ کا رنگ بچپن ہی سے اپنے ہم عمروں سے مختلف تھا، طفولیت ہی سے سعادت اور ولایت کے آثار ظاہر تھے، عم مرحوم تید خلیل الدین صاحب جو آپ کے ہم عمر تھے، فرماتے تھے کہ تید مصطفیٰ بچپن ہی میں رائے بریلی آئے، ہم بچوں کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیلنے لیکن اگرچہ وہ گلی ڈنڈا کھیلنے کا زمانہ تھا (جو کم بسنی اور بے خیالی کے لیے ضرب المثل ہے) مگر اس وقت بھی ان کا یہ حال تھا کہ بغیر بسم اللہ کے نہ ڈنڈا اٹھاتے اور نہ گلی رکھتے، ڈنڈا اٹھاتے تو بسم اللہ کہتے اور گلی مارتے تو بسم اللہ کہتے۔

جوانی میں بھی زہد و ورع کا وہی حال تھا جو صاحب استقامت شیوخ میں ہوتا ہے، غیبت سے اس قدر اجتناب تھا کہ آپ کی موجودگی میں آپ کے بعض اُستاد خاص طور پر خیال رکھتے تھے اور مجلس درس میں کبھی تنقید اور کسی کا بُرائی کے ساتھ ذکر کرنے میں آپ کی رعایت سے احتیاط کرتے تھے۔

حرام و مشتبہ کھانے سے سخت احتراز رہا، اگر کوئی لقمہ پیٹ میں چلا گیا اور اس کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ وہ مشتبہ تھا تو قے کر دیتے تھے۔

اول وقت نماز کا بڑا اہتمام تھا، مولوی تید حسن مجتبیٰ (دفعین جنت البقیع) کو جو آپ کی صحبت میں رہا کرتے تھے، حکم تھا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو ذرا دیر نہ کی جائے، بعض اوقات زینہ پر ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ جماعت کھڑی کرو، حدیث کا درس دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ نواب صاحب (نواب ابراہیم علی خاں والی ریاست ٹونک) اٹنارہ درس میں تشریف لے آئے، آپ نے ان کی کوئی تعظیم نہ کی، درس کے بعد فرمایا کہ نواب صاحب میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھا رہا تھا، اس لیے میں اس کو چھپور کر آپ کی تعظیم نہ کر سکا۔

ایک مرتبہ صاحبزادہ اسحق خاں (برادر نواب ابراہیم علی خاں والی ریاست ٹونک) نے آپ سے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ کسی حدیث کا مضمون ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی ہدیہ پیش کرے اور اس شرفِ نفس نہ ہو تو اس کو قبول کر لینا چاہیے، فرمایا ہاں حدیث میں اس طرح آتا ہے، انہوں نے کہا کہ یہ تین سو روپیہ پیش کرتا ہوں آپ قبول فرمائیے، مولانا نے روپیہ اُن سے لے لیا اور سب غریب اعزہ اور اہل حاجت پر تقسیم کر دیا۔

بدعات سے اتنا اجتناب کہ لڑکی کی طرف سے ولیمہ سے پہلے جو کھانا ہوتا ہے اُس میں شریک نہ ہوتے تھے، ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے، سخت بیماری میں بھی سکر کے سوا کبھی شکایت کا کلمہ زبان سے نہ نکلتا، مرضِ موت میں حکیم برکات احمد صاحب (مشہور عالم معقولات اور طبیب سرکاری) دیکھ کر باہر نکلے، لوگوں نے حال دریافت کیا کہا کیا بتاؤں سوائے الحمد للہ اور اللہ کا شکر ہے کے اور کچھ بتلاتے ہی نہیں۔

بیماری کی سخت تکلیف میں ایک مرتبہ اُن زبان سے نکل گیا تو زار و قطار روئے اور دیر تک استغفار کیا بہر حال تورع و استقامت میں اپنی نظیر آپ تھے اور اس دورِ اخیر میں ایسا نمونہ دیکھنے میں نہیں آیا، مولانا سید عبدالحی کے یہ الفاظ گذر چکے کہ "ورع و اتباع سنت میں میری آنکھوں نے آپ کی مثال نہیں دیکھی" و کفٰی بہ شہادہ ۱۲ منہ

مولوی حکیم سید فخر الدین

مولوی سید عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ تھے جو باوجود سرکاری ملازمت کے درویش سیر اور نہایت فاشع اور متواضع بزرگ تھے، حضرت سید احمد شہید سے بیعت و تربیت اور آپ کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمد علی راپسوری سے ملنے کا شرف حاصل تھا۔

۱۲۵۶ھ میں حضرت شاہ علم اللہ کے دائرہ میں ولادت ہوئی، آپ کے نانا مولانا سید محمد طاہر صاحب ظاہر و باطن حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ مجاز اور اُن اطراف میں اپنے وقت کے سب سے بڑے شیخ طریقت اور عام دینی تھے۔

بچپن میں والدین کے ساتھ ناگور (بندھیکلنڈ) گئے جہاں آپ کے والد ماجد تحصیلدار اور قاضی تھے وہیں آپ نے اپنے والد مرحوم اور مولوی رحیم بخش جانی، مولوی محمد طاہر نصیر آبادی (والد مولانا سید امین نصیر آبادی)

سے مختصرات اور طب کی بعض کتابیں حکیم احمد جان دہلوی سے پڑھیں، والد کی وفات کے بعد وطن واپس تشریف لائے اور کچھ مدت تک اپنے نانا حضرت مولانا سید محمد طاہر سے تعلیم حاصل کرتے رہے پھر ۱۸۸۲ء میں لکھنؤ گئے اور مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے شرح وقایہ، مشکوٰۃ اور تفسیر جلالین پڑھی۔ طب کی اعلیٰ کتابیں حکیم مولوی محمد یعقوب صاحب لکھنوی سے ختم کیں اور تین سال ان کی خدمت میں رہے اور طب میں شرکت کی۔ شعر و سخن کا فطری ذوق تھا، فارسی کلام سید محمد صفہانی حریف کو دکھایا اور اردو کی اصلاح منشی امیر اشہد تسلیم سے لی اور ان سے خطاطی کا فن بھی سیکھا۔

لکھنؤ سے واپس آ کر حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی کا واسن پڑا جو آپ کے والد کے حقیقی خالہ زاد بھائی اور آپ کے پھوپھاتھے، آپ کی خدمت میں ٹیچر کر سلوک کی تعلیم حاصل کی اور اجازت و خلافت سے نواز ہوئے، مولانا نے آپ کو اپنی تمام مرویات و مسوعات و مفردات کی اجازت دی جو آپ کو مولانا سخاوت علی جوہری مولانا محمد یعقوب دہلوی اور مولانا سید محمد نصیر آبادی اور دوسرے مشائخ سے حاصل تھی۔

پھر آپ حصول معاش کے لیے اودے پور، حیدرآباد، بھوپال، ٹونک وغیرہ گئے، آخر عمر میں وطن میں گوشہ گیر ہو گئے اور زہد و قناعت اور گنہگاری کی زندگی اختیار کی اور تصنیف و تالیف اور ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر عمر گزار دی۔

آپ فارسی کے صاحبِ قدرت نثر اور ادیب اور اردو و فارسی، بھاشا کے قادر الکلام شاعر تھے تصنیف کے لحاظ سے آپ کا شمار اپنے زمانہ کے بہت بڑے مصنفین میں ہونا چاہیے، نثر و نظم کا ایک بہت بڑا کتب خانہ اپنی یادگار چھوڑا جو تقریباً کل غیر مطبوعہ ہے، آپ کی سب سے عجیب و غریب تصنیف "مہر جہانات" ہے (جس کا حوالہ اس مضمون میں جا بجا آیا ہے) یہ فارسی کا مکمل دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہے جس میں تمام علوم و فنون، علماء، شعرا، مشائخ صوفیہ اور ماہرین علم و فن کا تذکرہ اور تمام ضروری معلومات اور تاریخ کا ذخیرہ ہے، پہلی جلد فل سکیپ سائز کے تیرہ سو صفحات میں تمام ہوئی ہے، پوری کتاب مصنف کے شیریں و یکساں خط میں لکھی ہوئی ہے، اردو، فارسی اور ہندی کے متعدد دیوان، نظموں کے مجموعے اور تاریخ و انساب اور تذکرہ پر متعدد تصنیفیں ہیں جو اگر متعدد اشخاص

پر تقسیم کر دی جائیں تو ہر ایک کو مصنف بنا سکتی ہیں۔

ان علمی کمالات کے ساتھ (جن کو زندگی میں بھی کمتر لوگوں نے جانا) باطنی کمالات سے بھی مالا مال تھے اور وہ ان علمی کمالات سے زیادہ مستور و مخفی رہے، حضرت مولانا سید خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خصوصیت و توجہ سے ان کی باطنی تربیت کی تھی، مہر جہان تاب میں لکھتے ہیں کہ بعض اوقات میری طبیعت کچھ خراب ہوتی اور مجھے ضعف و تعب ہوتا تو میری سکیلف کا بغیر میرے اظہار کیے ہوئے اپنے وجدان و فراست سے اور اک فرمایا، اور فرماتے کہ آج میرے سر میں درد ہے آج حلقہ نہیں ہوگا، رمضان کے عشرہ اخیر میں حلقہ مراقبہ تہجد کی نماز کے بعد ہوتا تھا، ایک رات آپ نماز کے بعد کچھ دیر آرام فرمانے لگے، خواجہ محمد فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو آپ کے خلیفہ عظیم اور سر حلقہ تھے فرمایا کہ جس کا جی چاہے حضرت سے اجازت لے کر آجائے، حلقہ ہوتا ہے چنانچہ سب رفقا آپ کے حلقہ میں شریک ہو گئے، میں بھی شریک ہوا لیکن مجھے قلق تھا کہ میں تو دامن خاص سے وابستہ ہوں، آج یہ بے التفاتی کیوں فرمائی گئی، میں حلقہ میں شریک رہا لیکن اس فکر و تردد سے مجھے خاطر خواہ فائدہ اور الشراج قلب حاصل نہ ہوا حلقہ کے اختتام کے بعد جیسے میرے اس خیال کا انعکاس ہوا، حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ آؤ کچھ دیر میرے پاس بیٹھو، آپ نے خاص توجہ دی، دوسرے رفقا بھی شریک ہوئے اور مجھے خاص حظ اور لطف حاصل ہوا اور دل کی گریں کھل گئیں۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب کا بڑے ذوق و وجد کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں عاپتا ہوں کہ تم بیعت کی دوبارہ تجدید کرو اور وہ نسبت جو مجھے پر معنوی حضرت مولانا محمد یعقوب نور اللہ مصحف سے پہنچی ہے، تمہیں عطا کروں، بندہ نے عرض کیا جاو کرامۃ، فرمایا کہ اس ماہ مبارک کی سائیسویں شب کو جو شب قدر ہے، اس کو لکھ کر دوں گا اور اس طریق کے صیغے جو دوسرے طریقوں سے ہیں زبانی بتلا دوں گا چنانچہ اس شب مبارک میں یہ وعدہ پورا ہوا اور وعدہ سے بڑھ کر مجھ پر الطاف ہوئے جو میں اپنی پُر تقصیر زبان سے ظاہر نہیں کر سکتا۔ وطن میں آپ نے اپنی عمر اس طرح مستورا کمال رہ کر اور اس سادگی و بے تکلفی عزلت خاموشی تو وضع اور بے تکلفی کے ساتھ گزاری کہ آپ کے ہم وطنوں اور عزیزوں میں سے کسی کو مشکل سے آپ کی علمیت اور بزرگی کا

احساس ہوتا ہوگا اور آپ کا کوئی امتیاز نظر آتا ہوگا، عمر کا بڑا حصہ عشرت اور معاش کے ترددات اور افکار میں گزارا جس سے آپ کے کمالات اور ذاتی جوہروں پر اور پردہ پڑا رہا، اور ابنا زمانہ کی آنکھوں سے آپ کی صحیح حیثیت اوجھل رہی، یہ پورا زمانہ بلکہ پوری عمر آپ نے بڑے صبر و استقامت خود داری اور زہد و قناعت سے گزار دی۔ آپ کا دل بہت صاف تھا، حسد و کینہ اور غصہ سے بہت دور تھے، کسی کا ذکر برائی سے نہ کرتے، مال کی حرص نہ تھی، عزت و جاہ سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنے کام سے کام تھا، دوسروں کے جھگڑوں میں دخل نہ دیتے، خاندانی مناقشات سے ہمیشہ الگ رہتے اور اپنے تعلقات اور وضع داری میں فرق نہ آنے دیتے، جس سے ملتے اُس سے ملتے رہتے، صلہ رحمی اور عزیز داری کا بڑا لحاظ تھا، اپنے کسی کمال یا امتیاز کا خود بھی کوئی احساس نہ تھا، باوجود اسکے کہ حضرت مولانا خواجہ احمد صاحبؒ سے خلافت و اجازت رکھتے تھے، منازل سلوک سے بخوبی آگاہ اور ہمیشہ ذکر و شغل و نوافل میں مشغول رہتے مگر کبھی کسی کو بیعت نہیں کیا اور نہ اپنے کو شیخت و ارشاد کا اہل سمجھا۔

”سیرۃ السادات“ میں اپنے برادرِ طریقت حضرت سید ضیاء البقی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”افسوس فقیر کاتب و ایں بزرگ در یک روز بیعت کر دیم او شاں برادر سیدند

ومن نامراد، باوجودیکہ مخالفت از مولانا صاحب و ایشاں محض مرید شدہ بودند لیکن

تہی دستان قسمت راجہ سودا از رہبر کامل کہ خضر از آب حیوان شنہ می آرد سکند را

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق اول بصر رفت و مادر کو چہا رسوا شدیم

اسی کتاب میں اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں :

”آفتابِ عمرش بمرحلہ شصت و ششم رسیدہ طاہرِ قریب بفر و ببت بیعت

طریقیت از قدوۃ الرائعین سید خواجہ احمد نصیر آبادی قدس سرہ دارد، اما نسبت این کار

با آنحضرت کردہ شرمش می آید چنانکہ نسبت ناخلفی خویش بحضرت اطہر الطاہرین، سید

المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، زیرا کہ ہمہ عمر راہ بطالت پیوودا کنوں کہ آفتابِ عمرش لب بام

است ہم رہیں معاصی و آٹام استومی نیگزرد کہ خیال عصیان و تمرد از باگاہ جلالت ازیدی

جلت عظمتہ دامن دشمن محکم یگیر و از طاعات شاذ و نادر آنچه کرده برابر با کرده است کہ
 بر رونے سیاہش خواہند زد کہ کالائے بد بریش خاوند بجز فحوائے آیہ کریمہ قل یا عبادی
 الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ و آیتہ کریمہ ان الذین امنوا
 و عملوا الصالحات الحقابہم ذریتہم و صدیث الطالبون لی " امیدے و بکانت
 نذارد اگر محض کرم وقت خاتمہ ہم حسن ختام عنایت فرماید غنیمت ورنہ دوزخ مقرمیں
 است کل امری بما کسب رہین "

اس حسن خاتمہ کی شہادت (جس کی تحریر میں آرزو کی گئی ہے) مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ

کی زبان سے سینے جو انتقال کے وقت موجود تھے :

" ۳ رمضان المبارک کو تپ لرزہ کے ساتھ لاتی ہوئی اور عادت کے مطابق سہال
 شدت سے شروع ہو گئے، دوسرے روز یوم الراتہ تھا، تیسرے روز پھر لرزہ کے ساتھ باری
 آئی اور اس قدر اسہال و استفراغ ہوا کہ ضعف و ناطقتی سے بیہوش ہو گئے، تمام رات
 غافل رہے اور یوم الراتہ کو بھی نقل و حرکت کی طاقت نہ رہی، اسی طرح روز بروز
 ضعف غالب آتا گیا، ساتویں روز یوم الراتہ کو تمام دن ہوشیار و بیدار رہے اور
 اپنے ہاتھ سے لوگوں کو تپ لرزہ کی گولیاں جو آپ کے معمولات میں سے تھیں اپنے قلمدان
 سے نکال کر دیتے رہے اور سیری کی لکڑی جس پر کچھ کچھ لکھ کر رکھ چھوڑا تھا بازو پر باندھنے
 کے لیے دیتے رہے، شام کے وقت اسہال شروع ہو گئے، ہر مرتبہ طاقت جواب دیتی
 جا رہی تھی، یہاں تک کہ مغرب کے بعد جس بھی ساقط ہو گئی اور سوائے سانس کے زندگی
 کی کوئی علامت باقی نہیں رہی، دس بجے شب کو یک بیک جنبش پیدا ہوئی اور از خود
 دائیں طرف جھک گئے اور قلب جاری ہو گیا اور اس میں اس قدر شدت و حدت پیدا ہوئی
 کہ سو قدم کے فاصلہ سے لفظ مبارک " اللہ " سنا جاسکتا تھا، قلب مبارک میں اتنی جنبش

تھی کہ گویا ایک ایک بالشت اُچھلتا ہے۔ یہ حال ایک بجے رات تک رہا، پھر اضمحلال پیدا ہو گیا، اس وقت اس فقیر نے بعض حاضر الوقت دوستوں سے کہا کہ سورہ یسین تلاوت کریں، تلاوت کرتے ہی خاموشی اور سکون پیدا ہو گیا۔ دوبار سورہ یسین کی تلاوت ہوئی پھر یقین شروع کی، آپ نے ذکرِ لسانی شروع فرمایا، منہ اور زبان کی حرکت دیکھنے سے اور آواز قریب سے سننے سے معلوم ہوتی تھی، لفظ مبارک "اللہ" کو کمال تجوید کے ساتھ ادا فرماتے تھے جیسے کہ زندگی میں عادت مبارک تھی، اسی طرح آخر تک ذکر رہے، دم واپس کے وقت نکتِ سفلی بلند ہو گیا اور زبان اسم ذات کے ادا کرنے میں متحرک ہوئی مگر پوے طور پر ادا نہ ہونے پایا تھا کہ جان جان آفریں کے سپرد کی ہے

چسیت ازین خوب تر در ہمہ آفاق کار

دوست رسد نزد دوست یار بنزدیک یار

وہ رات ہم لوگوں کے لیے شب قدر تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملائکہ رحمت نے ہر طرف سے ہجوم کیا ہے، تنہائی سے کوئی وحشت اور ایسے شفیق باپ کے دنیا سے اٹھ جانے سے کوئی صدمہ نہ تھا، قلب میں عجیب کشائش تھی اور بے ساختہ زبان پر حمد جاری تھا، اجاب تسبیح و تہلیل میں مشغول تھے اور نماز تہجد ادا کر رہے تھے اور ایسی کیفیت محسوس کر رہے تھے جو بیان میں نہیں آسکتی، میں نے اس طرح کی کیفیات اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔

یہ واقعہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کا ہے، اس وقت والد ماجد کی عمر

اکہتر سال کی تھی۔ (ماخوذ از تحریر فارسی مولانا حکیم سید عبدالحی)

پندرہویں صدی ہجری کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مظللہ العالی کا ایک عظیم تحفہ
ایکے حیات آفرینے پیغام

تاریخ دعوت و عزیمت

(پچھ حصوں میں)

حصہ اول: پہلی صدی ہجری سے لے کر ساتویں صدی ہجری تک عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ: نامور مصلحین اور ممتاز اصحاب دعوت و عزیمت کا مفصل تعارف۔ ان کے علمی کارناموں کی روداد اور ان کے اثرات و نتائج کا تذکرہ۔

حصہ دوم: جس میں آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم و مصلح شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی سوانح حیات، ان کے صفات و کمالات، ان کی علمی و تصنیفی خصوصیات، ان کا تجدیدی و اصلاحی کام اور ان کی اہم تصنیفات کا مفصل تعارف اور ان کے ممتاز تلامذہ اور منتسبین کے حالات۔

حصہ سوم: حضرت خواجہ معین الدین چشتی، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا، حضرت مخدوم شیخ شرف الدین بھٹی منیری کے سوانح حیات، صفات و کمالات، تجدیدی و اصلاحی کارنامے، تلامذہ اور منتسبین کا تذکرہ و تعارف۔

حصہ چہارم: یعنی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی (۱۰۳۲-۹۰۱ھ) کی مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی و انقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کا بیان، ان کا اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی و تربیتی خدمات۔

حصہ پنجم: تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، احیائے دین، اشاعت کتاب و سنت، اسرار و مقاصد شریعت کی توضیح و تفسیح، تربیت و ارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ اور تشخص کے بقا کی ان عہد آفرین کوششوں کی روداد، جن کا آغاز حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے اخلاف و خلفا کے ذریعے ہوا۔

حصہ ششم: حضرت سید احمد شہید کے مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی و تجدیدی کارنامے اور غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد و تنظیم، اصلاح و تجدید اور احیائے خلافت کی تاریخ۔ (دو جلدوں میں مکمل)

ناشر: فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام - ۱ کے ۲۰ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۱۸